ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ النساء (آیات 19 تا 21)

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾﴾

''مؤمنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا' ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا نامناسب نہیں)۔ اور اُن کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔ اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اُس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے؟ اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں۔''

یہاں عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم کے ازالہ کی خاطر فرمایا جا رہا ہے کہ اے اہل ایمان! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی وراثت میں لے لو۔ اُس معاشرے میں ایک شخص کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں۔ وہ مر جاتا تو اُس کا بیٹا اُن کا وارث بن جاتا۔ ایک تو اس کی حقیقی ماں ہوئی۔ باقی سوتیلی مائیں بھی اُس کی ملکیت میں آ جاتیں۔ اگر چاہتا تو اُن سے شادی کر لیتا اور چاہتا تو بغیر شادی اپنے گھر میں ڈالے رکھتا۔ اگر کہیں اُن کی شادی کرتا تو مہر خود وصول کرتا۔ چنانچہ اس خرابی کی اصلاح کے لیے مناسب راہنمائی فراہم کر دی گئی۔

اور تمہارے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ تم اپنی بیویوں کا راستہ روکو یعنی اگر وہ تمہارے پاس نہ رہنا چاہیں تو اُن کو مجبور نہ کرو کہ جو کچھ تم اُن کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ تمہیں واپس دے دیں۔ جس وقت نکاح کیا تھا بڑے شوق سے بیوی کو کئی کچھ دے دیا تھا۔ اب اگر جدائی ہو رہی ہے تو عورتوں کو تنگ کرنا یا ذہنی طور پر تکلیف دینا تا کہ جو دیا ہوا تھا وہ اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اُن سے واپس لے لیں' ہرگز جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی عورت سے صریح حرام کاری کا فعل سرزد ہو گیا تو پھر اُسے سزا دی جائے گی' مگر اپنا دیا ہوا مہر یا اُس کا کچھ حصہ واپس لینے کی نیت سے عورت کو تنگ کرنا ہرگز روا نہیں۔

اور دیکھو عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے نیکی اور راستی کے ساتھ رہن سہن اختیار کرو۔ اگر اب ایسا ہو گیا ہے کہ تمہاری عورت تمہیں کسی وجہ سے ناپسند ہو گئی ہے تو ہو سکتا ہے کہ کسے شے کو تم ناپسند کرو در آں حالیکہ اللہ نے اسی میں تمہارے لیے خیر کثیر رکھ دیا ہو۔ ایک عورت جو کسی ایک اعتبار سے تمہارے دل سے اتر گئی ہے یا اُس کی طرف طبیعت کا رجحان نہیں رہا تو تمہیں کیا پتہ کہ اُس میں کون کون سی خوبیاں ہیں اور وہ کس کس اعتبار سے تمہارے لیے خیر کا ذریعہ بن سکتی ہے! تو اس قسم کے معاملے کو اللہ کے سپرد کرو۔ اس کے ساتھ صحیح معاشرت رکھو۔ اس کے حقوق کی مناسب ادائیگی کرو۔ ہاں اگر معاملہ ایسا ہی سنگین ہو گیا ہے کہ ساتھ رہنا ممکن ہی نہیں رہا تو طلاق کا راستہ کھلا ہے۔ عیسائیت کی طرح اسلام میں ایسا نہیں کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔ تو اگر تم نے فیصلہ ہی کر لیا ہے کہ ایک بیوی کی جگہ دوسری لانا ہے تو ایسا کر لو مگر جس کو چھوڑ رہے ہو مہر کی شکل میں اُسے ڈھیروں دیے گئے مال میں سے کوئی شے اب واپس نہیں لے سکتے۔ کیا تم اپنا دیا ہوا مال ناحق اور صریح گناہ کے طور پر واپس لو گے۔ شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے ذرا سوچو کہ تم اُن سے وہ مال کیسے واپس لینا چاہتے ہو جبکہ تمہارا اُن کے ساتھ دُنیاوی اعتبار سے انتہائی قریبی رشتہ قائم ہو چکا ہے اور وہ عورتیں تم سے گہرا قول و قرار بھی لے چکی ہیں' یعنی نکاح کے وقت تم انہیں اپنی ذمہ داری میں قبول کر چکے ہو۔

فرمانِ نبویؐ

سینے کو کینے سے پاک رکھو

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ اَوْقَالَ الْعُشْبَ)) (رواہ ابو داؤد)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' حسد اور کینے سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے (ضائع کر دیتا ہے) جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے'' یا فرمایا: ''خشک گھاس کو۔''

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

شمارہ		جلد
	7 تا 13 جولائی 2005ء	
24	29 جمادی الاول تا 6 جمادی الثانی 1426ھ	14

بانی: **اقتدار احمد** مرحوم

مدیر مسئول: **حافظ عاکف سعید**

مجلس ادارت

سید قاسم محمود ـ ایوب بیگ مرزا

فرقان دانش خان ـ سردار اعوان ـ محمد یونس جنجوعہ

ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67 ـ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور ـ 54000

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36- کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور ـ 54700

فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 250 روپے

بیرون پاکستان

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر

''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں

چیک قبول نہیں کیے جاتے

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا تمام مضمون نگار حضرات کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

غریب لوہار کا بیٹا

مشرق اور مغرب کے تجزیہ نگاروں اور تخمینہ سازوں کی پیشین گوئیوں کا دھڑن تختہ کرتے ہوئے محمود احمدی نژاد ایران کے صدر منتخب ہو گئے ہیں۔ عالمی سطح پر یہ ایک بہت بڑا اپ سیٹ ہے جو مغرب خصوصاً امریکہ کے لئے ایک دھچکا ثابت ہوا ہے۔ نو منتخب صدر **1956**ء میں تہران کے جنوب مشرقی علاقے گرمسار میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک غریب لوہار تھے۔ انہوں نے ایران یونیورسٹی آف سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی سے سول انجینئرنگ کی۔ بعد ازاں تہران یونیورسٹی سے ٹریفک و ٹرانسپورٹ میں ڈاکٹریٹ کی۔ آیت اللہ خمینی سے متاثر تھے۔ انقلاب ایران کے بعد پاسداران انقلاب میں رضاکارانہ طور پر شامل ہو گئے۔ وہ بہت متحرک تھے' لہٰذا انہیں پہلے ایران کے شمالی مغربی صوبے ماکو اور پھر اردبیل کا گورنر بنا دیا گیا۔ لیکن ان کی اصل وجہ شہرت تہران کے میئر کی حیثیت سے ان کی کارکردگی تھی۔ دنیا بھر کے **500** شہروں کے میئروں کے عالمی مقابلے میں انہیں انسٹھ واں اچھا میئر منتخب کیا گیا۔ مغربی اور امریکی میڈیا کی زبان میں وہ مذہبی معاملات میں شدت پسند اور سخت گیر شخصیت ہیں جبکہ ہماری رائے میں وہ ایک فنڈامنٹلسٹ مسلمان ہیں۔ تہران کے میئر کی حیثیت سے انہوں نے انقلابی اقدام کئے۔ بلدیہ کے ملازمین کو داڑھی رکھنے کا حکم صادر کیا' خاکروبوں کو آدھے بازو والی قمیض پہننے سے روک دیا۔ شہر کے فاسٹ فوڈز کے ہوٹل بند کروا دیے۔ اشتہارات اور اشتہاری مہمات کو ضابطہ اخلاق کا پابند کیا۔ صدر خاتمی جو اصلاح پسند کے طور پر جانے جاتے تھے اور نسبتاً آزاد خیال معاشرے کے قیام کے حق میں تھے' انہوں نے درج بالا اقدامات کی وجہ سے محمود احمدی نژاد کی کابینہ کی میٹنگ میں شرکت پر پابندی لگا دی تھی۔ ان کی ویب سائٹ پر یہ تحریر ہے کہ امریکہ اور مغرب ایران کو آسانی سے ترقی نہیں کرنے دیں گے۔ صدارتی انتخابات سے چند روز پہلے ایران کے ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے انہوں نے اقوام متحدہ کو جانب دار ادارہ قرار دیا اور سلامتی کونسل میں پانچ بڑے ممالک کے ویٹو کے حق پر سخت تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر ویٹو سلامتی کونسل کی ضرورت ہے تو ایک ارب تیس کروڑ مسلمانوں کو بھی لازماً یہ حق حاصل ہونا چاہیے۔

محمود احمدی نژاد **1981**ء کے بعد پہلے صدر ہوں گے جو عالم دین نہیں ہیں۔ لیکن انہیں مجلس خبرگان کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ رن آف الیکشن میں ان کا مقابلہ آیت اللہ خمینی کے قریبی ساتھی اکبر ہاشمی رفسنجانی سے تھا جو پہلے دو مرتبہ ایران کے صدر اور سپیکر رہ چکے تھے لیکن اب وہ اصلاح پسندی کا شکار ہو چکے ہیں۔ محمود احمدی نے ان سے **72** لاکھ ووٹ زیادہ حاصل کئے۔

محمود احمدی نے اپنی انتخابی مہم میں تین نکات کو مرکزی حیثیت دی۔ **(1)** انقلاب کے مقاصد کی تکمیل اور اصلاح پسندی کی مخالفت۔ **(2)** امریکہ مخالفت **(3)** وسائل خصوصاً تیل کی آمدنی کی منصفانہ تقسیم اور غربت ہٹاؤ پروگرام۔ امریکہ اور یورپ محمود کی کامیابی کو پہلے نکتے یعنی مذہب کی طرف پیش رفت قرار دے کر ایرانی عوام کو رجعت پسندی کا طعنہ دے رہے ہیں۔ ہماری رائے میں اگرچہ محمود احمدی کی کامیابی میں درج بالا تینوں عوامل کارفرما تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وسائل کی منصفانہ تقسیم اور غربت کے خلاف جنگ ووٹ کش نعرہ ثابت ہوا۔ یہ نعرہ **1970**ء میں پاکستان میں لگائے گئے روٹی کپڑا مکان سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن نعرہ لگانے والوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں اٹھو میرے غریبو! کا نعرہ لگانے والا خود ایک وڈیرہ تھا عملاً اس نے غربت کو دور سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ مغرب کا تعلیم یافتہ اور مغربی تہذیب کا دلدادہ تھا اور محض ووٹ حاصل کرنے کے لئے اس نے سوشلزم کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ جبکہ محمود احمدی نژاد حقیقتاً ایک غریب آدمی ہے۔ تہران کے میئر کی حیثیت سے اس کی کارکردگی سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ وہ ڈرامہ بازی کا قائل نہیں۔ اس نے تہران کی صفائی کا معیار بہتر سے بہتر بنانے کے لئے خود جھاڑو ہاتھ میں پکڑنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ وہ کرپشن کا سخت ترین دشمن ہے۔ ہماری رائے میں اگر اسے کام کرنے کا موقع دیا گیا تو وہ ایران میں سوشل جسٹس قائم کرنے میں بلاشبہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ قیامِ عدل سے اسے عوامی سطح پر اتنی زبردست قوت حاصل ہو جائے گی کہ پھر انقلاب ایران کے مقاصد کا حصول آسان تر ہو جائے گا اور کوئی اندرونی بیرونی قوت اسے رجعت پسندی قرار دے کر اس کی محنت پر شب خون نہیں مار سکے گی اور ایسی صورت میں اگر امریکہ نے اپنی فرعونیت کے بل پر ایران پر حملہ آور ہونے کی حماقت کی تو ایرانی اسے عراقیوں سے بڑھ کر سبق سکھائیں گے۔

(باقی صفحہ 13 پر)

سید قاسم محمود

جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اگر کج رَو ہیں انجم‘ آسماں تیرا ہے یا میرا؟
مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو‘ جہاں تیرا ہے یا میرا؟
اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
خطا کس کی ہے یا رب! لامکاں تیرا ہے یا میرا؟
اسے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر؟
مجھے معلوم کیا! وہ رازداں تیرا ہے یا میرا؟
محمدؐ بھی ترا‘ جبریل بھی‘ قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟
اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا؟

یہ ’’بالِ جبریل‘‘ کے حصۂ اول کی دوسری غزل ہے۔ پانچ اشعار پر مشتمل یہ غزل بھی پہلی (جس کی شرح ’’ندائے خلافت‘‘ کے پچھلے شمارے میں ہو چکی ہے) کی طرح مسلسل ہے۔ ہر شعر میں خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے۔ بظاہر اقبال نے ہر شعر میں اللہ سے سوال کیا ہے‘ لیکن یہ باطن مشیتِ ایزدی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کی قلبی کیفیت ہے۔ اسلوبِ بیان دلکش اور مؤثر ہے۔ اس غزل کی جو ردیف قائم ہے ’’تیرا ہے یا میرا‘‘ وہ اقبال کے بنیادی فلسفے کی آئینہ دار ہے‘ یعنی خدا کی ہستی کے ساتھ ساتھ خودی کا اثبات بھی کر دیا ہے۔ اس غزل کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ صرف پانچ اشعار میں فلسفہ اور مذہب کے بعض اہم اور بنیادی مسائل کی طرف اشارہ کر دیا ہے‘ مثلاً:

(1) انجم (بنی آدم) کی کج روی

(2) لامکاں کا عشق سے خالی ہونا

(3) انکارِ ابلیس اور اس کا سبب

(4) حرفِ شیریں (جذبۂ عشق) کی کارفرمائی

(5) وجودِ آدم کی اہمیت

یہ وہ مسائل ہیں جن پر حکماء اور علماء نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں۔ اقبال کا کمال یہ ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ شعروار تشریح یوں ہے:

(1) اے خدا! اگرچہ اس میں شک نہیں کہ انجم کج رَو ہیں‘ یعنی دنیا کے اکثر لوگ صراطِ مستقیم پر چلنے کی بجائے شیطانی راستوں پر چل رہے ہیں‘ لیکن مجھے اس بات پر اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو نے یہ دنیا اس نہج پر کیوں بنائی ہے کہ یہاں ہر طرف فسق و فجور کی گرم بازاری ہے اور نیکی اور شرافت کی کہیں قدر و منزلت نہیں ہے۔ یہ جہان تیرا پیدا کردہ ہے‘ میرا پیدا کردہ نہیں ہے‘ اور نہ اس کی تخلیق میں کسی انسان کے مشورے کو دخل ہے‘ اس لیے میں تیری مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔

(2) اس شعر میں لفظ ’’لامکاں‘‘ تشریح طلب ہے۔ یہ منطق کی اصطلاح ہے اور لفظ ’’مکاں‘‘ کی نقیض ہے۔ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ مکاں اور زماں میں نہیں ہے‘ یعنی اللہ کے لیے کوئی مکان یا مقام نہیں ہے‘ اور نہ وقت اور زمانہ اُس پر جاری ہو سکتا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں: ’’مکاں کا تحقق جہاتِ ستہ (چھ معروف سمتوں) سے ہوتا ہے اور جہاتِ ستہ کا محدّد ’’فلکِ تاسع‘‘ (نواں آسماں) ہے‘ اور زماں (وقت) کا محقق بھی اسی نویں آسماں کی حرکت سے ہوتا ہے‘ کیونکہ زمانہ یعنی وقت نویں آسماں کی حرکت کا نام ہے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ فلک الافلاک سے بھی ماوراء بلکہ وراء الوراء ہے‘ اس لیے وہ نہ مکاں میں ہے نہ زماں میں۔

اقبال شاعرانہ انداز میں اللہ سے کہتے ہیں کہ اے خدا! اگر لامکاں میں تیرے عشاق موجود نہیں ہیں‘ یعنی زیادہ واضح الفاظ میں‘ اگر فرشتے تیرے عشق میں ہنگامہ ہائے شوق برپا نہیں کرتے اور وہاں سناٹا طاری ہے‘ تو یہ بات تیری مشیت کے عین مطابق ہے‘ کیونکہ تُو نے فرشتوں کے اندر عشق کا جذبہ ودیعت ہی نہیں کیا۔ دوسرے لفظوں میں اقبال اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں کہ اے خدا! یہ محض تیرا کرم ہے کہ تو نے انسان ضعیف البنیان کو اپنے عشق سے نوازا ہے‘ اور وہ اُس جہان میں جو ’’مکاں‘‘ سے عبارت ہے‘ تیرے عشق میں ہنگامہ ہائے شوق برپا کرتا رہتا ہے‘ جس کی وجہ سے یہ دنیا‘ دنیا بن گئی‘ ورنہ یہاں قسم قسم کی دلکشی اور زندگی کی گہما گہمی نہ ہوتی۔

(3) اے خدا! یہ صحیح ہے کہ ابلیس نے تیرے حکم سے سرتابی کی‘ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس میں انکار کی جرأت تیری ہی مشیت کی بدولت ہوئی۔ تیری مشیت کا تقاضا یہی تھا کہ دنیا میں آدم کے ساتھ ساتھ ابلیس کا وجود بھی کارفرما ہے‘ اس لیے تُو نے دونوں کو پیدا کیا‘ اور ابلیس کو اختیار دیا کہ وہ جو راستہ چاہے‘ اپنے لیے پسند کر لے۔ چنانچہ اُس نے اپنی مرضی سے انکار کا راستہ اختیار کیا۔ تو اگر چاہتا تو اُسے انکار کی جرأت ہرگز نہیں ہو سکتی تھی‘ لیکن اس صورت میں اس کی آزادی سلب ہو جاتی۔ علاوہ ازیں تو اگر چاہتا تو ایسی دنیا بھی پیدا کر سکتا تھا جس میں ابلیس کا وجود ہی نہ ہوتا‘ لیکن تو نے اس صورت کو پسند نہیں کیا‘ یہ تیری مرضی اور مشیت۔ میرا فرض تو تیری مرضی اور مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔

(4) اے خدا! آنحضرت ﷺ حضرت جبریل اور قرآن مجید‘ یہ تینوں تیرے ترجمان ہیں‘ یعنی دنیا والوں کے لیے تیری ہستی کے پختہ ثبوت ہیں‘ لیکن یہ ’’حرفِ شیریں‘‘ یعنی یہ جذبۂ عشق میری یعنی آدم کی ہستی کا ثبوت ہے۔ آدمی اسی جذبۂ عشق کی بدولت‘ اللہ‘ رسول کریمؐ اور قرآن مجید کی ناموس کی خاطر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔

بے خطر کود پڑا‘ آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

(5) اے خدا! تیری پیدا کردہ یہ دنیا‘ آدم ہی کے دم سے آباد ہے‘ اسی کی بدولت اس میں حسن‘ گہما گہمی اور رونق ہے۔ اگر جذبۂ عشق ختم ہو جائے تو آدم ختم ہو جائے گا اور ’’آدمِ خاکی کا زوال‘‘ میرا زیاں نہیں ہے‘ بلکہ اس میں تیرا ہی نقصان ہے‘ کیونکہ جمادات‘ نباتات اور حیوانات نہ آپ سے عشق کر سکتے ہیں اور نہ آپ کے نام پر سر کٹا سکتے ہیں۔ یہ حوصلہ تو آدم ہی کا ہے کہ وہ آپ کے لیے سربکف ہو کر نکلتا ہے اور اپنے خون سے آپ کی ہستی کا اثبات کرتا ہے۔

وضاحت

کلامِ اقبال کی یہ شرح نئی نہیں ہے‘ بلکہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی‘ مولانا غلام رسول مہر‘ جناب اسرار زیدی‘ جناب خواجہ محمد زکریا اور دوسرے فاضل شارحینِ اقبال کا مشترکہ فیضان ہے۔ (س ق م)

دُنیا کی حقیقت......اور آزمائش کی دو (۲) صورتیں

بحوالہ سورۃ الفجر

مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 17 جون 2005ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

سورۃ الفجر کی ابتدائی چودہ آیات ہم پڑھ چکے ہیں۔ بقیہ سورت کا ان شاء اللہ آج مطالعہ کریں گے۔ جو آیات ہم نے پڑھی ہیں ان میں سے پہلی چار آیات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں ﴿وَالْفَجْرِ (۱) وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۲) وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۳) وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (۴)﴾۔ ان پر تفصیل سے گفتگو پچھلے خطاب میں ہو چکی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ان قسموں میں تضادات کی طرف اشارہ ہے۔ ایک فجر کا وقت ہے اور ایک وہ وقت ہے جب رات کی تاریکی مسلط ہوتی ہے۔ اسی طرح طاق اور جفت ہیں' لیکن سب کا خالق ایک ہے۔ یہ تضادات تو ہیں لیکن انہی کے اندر ایک توافق (Harmony) بھی ہے۔ رات اور دن مل کر ایک مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔ طاق اور جفت بھی اپنی اپنی جگہ نامکمل ہیں' ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہی معاملہ بنتا ہے۔ حاصل کیا ہے؟ اس کائنات میں جیسے تم اضداد کا مشاہدہ کرتے ہو ایسے ہی انسانوں کے حالات کے اندر فرق و تفاوت ہے۔ کوئی خوشحال ہے' کوئی تنگدست ہے' کوئی مشکلات میں گھرا ہوا ہے' کوئی فارغ البال ہے' کسی وقت عزت ہے' کسی وقت دوسری کیفیت ہے۔ یہ کیفیات افراد کی بھی ہیں اور اقوام کی بھی ہیں۔ کسی وقت ایک قوم اپنے عروج پر ہوتی ہے اور کسی وقت وہ زوال سے دوچار کر دی جاتی ہے۔ لیکن یہ چیزیں ازخود نہیں ہو رہی ہیں۔ ان سب حالات کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما ہے جو سب پر حاوی ہے۔ وہ غالب ہے' العزیز ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ یہاں جو حالات آ رہے ہیں وہ تمہیں آزمانے کے لیے ہیں۔ پھر ایک دن تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور اس امتحان میں کامیاب ہوئے یا ناکام' یہ فیصلہ ہم تمہیں وہاں سنائیں گے۔ لیکن لوگوں کی سوچ کا کیا عالم ہے' آیات 15 اور 16 میں اسی ذہنیت کی عکاسی کی گئی ہے۔

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ﴾ ''انسان کا معاملہ یہ ہے کہ جب اس کا رب اسے اس دنیا میں آزماتا ہے اور اس کی عزت افزائی فرماتا ہے' اس پر نعمتوں کی بارش برساتا ہے۔'' ﴿فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ (۱۵)﴾ ''تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری عزت افزائی کی''۔ ﴿وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ کسی کی آزمائش اس طور پر کرتا ہے کہ اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے۔'' ﴿فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (۱۶)﴾ ''تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے رسوا کر دیا۔'' بظاہر لگتا ہے کہ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے کہ رب نے میری عزت افزائی کی اور رب نے مجھ پر کرم فرمایا اور دوسری صورت میں وہ کہہ رہا ہے کہ میرے رب نے مجھے رسوا کر دیا تو اس میں غلطی کہاں ہے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ جو کچھ حاصل ہوا وہ میری صلاحیت کا نتیجہ ہے، میں نے کمایا ہے۔ دراصل اس سوچ اور ذہنیت کی کئی سطحیں ہیں۔

اس سوچ کے اعتبار سے سب سے پہلی سطح جو گمراہی کی انتہا ہے' یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ مجھے ملا میری اپنی محنت، میری صلاحیت، میری قابلیت، میری پلاننگ کا نتیجہ ہے۔ میرے اندر وہ صفات تھیں' میں اس لائق تھا کہ مجھے اس دنیا میں عزت ملتی۔ یہ قارونیت ہے۔ ﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ (القصص: 78) جب قارون سے کہا گیا تھا کہ تمہیں رب نے اتنا کچھ دیا ہے تو اس میں سے کچھ خرچ کرو اور اسے توشۂ آخرت بناؤ تو اس نے صاف کہا کہ یہ میرا مال ہے اور میری صلاحیت' لیاقت' قابلیت اور پلاننگ کے نتیجے میں مجھے ملا ہے۔ ایک تو یہ فکری گمراہی کی انتہا ہے۔

دوسری سطح یہ ہے جو یہاں پر بیان ہوئی کہ اگر مجھے دنیا میں مال و دولت کی فراوانی ملی ہے تو یہ اللہ کی عطا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہے۔ اور اگر نہیں ملا' مشکلات ہیں، سختی اور تنگی ہے تو میرے رب نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا' میرے ساتھ ظلم کیا ہے، اس نے مجھے رسوا کر دیا۔ دیکھئے وہ مان رہا ہے کہ کرنے والا تو بہرحال وہی اللہ ہے۔ حالات جو بھی آتے ہیں اسی کی طرف سے آتے ہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سوچ کے اندر کوئی خامی نہیں ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے شکوہ کے انداز میں یہ بات رکھی ہے کہ انسان اصل حقیقت کو نہیں سمجھ رہا۔ ذرا الفاظ کی طرف توجہ کیجئے' پھر بات سمجھ میں آئے گی۔ فرمایا: ﴿اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ﴾ جب اللہ تعالیٰ اس کی آزمائش کرتا ہے' اسے کچھ دے کر' یعنی دنیا میں اگر عزت ملی اور نعمتوں کی فراوانی اس کو میسر آئی تو اصل میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ رب کی طرف سے آزمائش کے لیے ہے۔ اس نے اس حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس پر جو نعمتوں کی بارش ہے وہ اس کی عزت افزائی ہے یا اسے اس کا استحقاق ملا ہے تو یہ سوچ غلط ہے۔ یہاں اگر تمہیں کچھ ملا ہے تو یہ صرف آزمائش کے لیے ہے۔ یہ دنیا ہے ہی دارالامتحان' سختی ہو یا آسانی' خوشی ہو یا غمی' یہاں جو بھی حالات آتے ہیں سب کے سب امتحان کے لیے ہیں۔

اسی طریقے سے اگر اللہ تعالیٰ نے کچھ چھین لیا یا ناپ تول کر دیا' فراوانی اور خوشحالی نہیں ہے تو رب کی طرف سے یہ رسوائی نہیں' بلکہ یہ بھی آزمائش کی صورت ہے۔ اس حقیقت کو اگر نہیں پہچانا تو ایک طرح کی فکری کجی میں مبتلا ہو گئے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جو بھی حالات ہیں صرف آزمائش کے لیے ہیں۔ اسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ایک مؤمن بندے کا عجیب معاملہ ہے۔ دونوں حالات میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پر انعامات کی بارش کرے تو وہ رب کا شکر ادا کرتا ہے' اور اجر کما رہا ہے' اگر حالات سخت ہیں، تنگی ہے تو وہ صبر سے کام لیتا ہے اور اجر کا مستحق ہے۔ صبر یہ نہیں کہ مجبوری ہے اس لیے ان حالات کو جیسے تیسے برداشت کرنا ہے۔ یہ صبر نہیں ہے بلکہ وہ اس حقیقت کو پہچانتا ہے کہ یہ بھی میرے رب کی طرف سے امتحان ہے۔ اور میں اپنے رب کی طرف سے ڈالے ہوئے اس امتحان پر راضی ہوں' اور میرا سہارا تو بس اللہ ہی کی ذات ہے۔ اگر یہ کیفیت ہے تو بندہ مؤمن دونوں صورتوں میں مسلسل اجر کما رہا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان میں سے سخت تر آزمائش کون سی ہے؟ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے واقعتاً علم حقائق عطا کیا ہے' معرفت عطا کی ہے، جو مقربین ہیں' ان کا انداز تو یہ تھا کہ انہیں وہ آزمائش زیادہ سخت اور کٹھن لگتی تھی کہ اللہ کی طرف سے نعمتوں اور انعامات کی بارش ہو کہ ان کا حق ہم ادا نہیں کر سکیں گے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے بارے

میں تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ خلق قرآن کے مسئلے پر انہیں نہ صرف قید کیا گیا بلکہ کوڑے بھی برسائے گئے اور اتنا تشدد کیا گیا کہ ہاتھی کو بھی وہ مار ماری جائے تو بلبلا اٹھے۔ لیکن زبان پر کبھی حرفِ شکایت نہیں آیا۔ بلکہ یہ الفاظ ان کی زبان پر آتے تھے کہ: اِنَّ جَنَّتِیْ مَعِیَ "میری جنت میرے ساتھ ہے۔" جو کچھ بھی ہو رہا ہے میں رب کی رضا پر راضی ہوں اور میرے باطن میں سکون و اطمینان کی جو جنت آباد ہے وہ کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ انہیں معلوم تھا کہ صبر کا کیا اجر ہے' اللہ کی نگاہ میں اس کا کیا مقام ہے۔ انہی کے بارے میں یہ آتا ہے کہ جب وہ خلیفہ بدلا اور دوسرا خلیفہ آیا تو اس نے آپ کے مقام اور مرتبے کو پہچانتے ہوئے آپ کے پاس اشرفیوں کی تھیلی بھیجی' لیکن آپ نے وہ واپس کر دی اور رو پڑے کہ اے اللہ میں اس امتحان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اسی حوالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے کہ ((مَا قَلَّ وَكَفٰی خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰی)) "جو (مال) کم ہو لیکن کفایت کر جائے بہتر ہے اس (مال) سے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے۔" کیونکہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اس کا حساب بھی ہو گا۔ جیسا کہ سورۃ التکاثر کے آخر میں الفاظ آئے ہیں: ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (۸)﴾ (التکاثر) کہ دنیا میں اللہ نے جو نعمتیں تمہیں دی ہیں ان میں سے ایک ایک کے بارے میں اس دن سوال کیا جائے گا۔ چنانچہ جسے کم ملا ہے اس کے لیے حساب آسان ہو گا۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ابن آدم کے قدم اللہ کی عدالت سے ہل نہیں سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں نہ پوچھ لیا جائے۔ ان میں سے دو سوال مال کے بارے میں ہیں: ((وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْ مَا اَنْفَقَهٗ)) "اس کے پاس جو مال تھا یہ اس نے کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟"

دنیا کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ دارالامتحان ہے۔ زیادہ ملنے والا یہ نہ سمجھے کہ اس پر اللہ کا خاص فضل ہوا، بلکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور دعا کرے کہ پروردگار اس امتحان کو میرے لیے آسان بنا دے۔ اگر وہ یہ حقیقت بھول گیا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے بغرض امتحان ملا ہے تو پھر جو کچھ ہو گا وہ بھی قرآن نے واضح کر دیا۔ فرمایا: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ (۱) حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۲)﴾ (التکاثر) "تمہیں غافل کیے رکھا بہتات کی طلب نے' یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔"

یہ ہے وہ حقیقت جو اللہ تعالیٰ نے شکوے کے انداز میں یہاں بیان کی کہ انسان کا عجیب معاملہ ہے کہ جب اُس کا رب اس کو جانچتا اور پرکھتا ہے دنیا میں عزت دے کر اور نعمتوں کی بارش برسا کر ﴿فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ (۱۵)﴾ تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ پر بڑا اکرم فرمایا' یہ "هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ" ہے۔ ﴿وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ﴾ اور جب اللہ اس کو آزماتا ہے دوسری صورت میں ﴿فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ﴾ کہ اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے ﴿فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ (۱۶)﴾ تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے رسوا کر دیا۔ حالانکہ یہ بھی امتحان ہے' وہ بھی امتحان تھا۔ نہ یہاں کی رسوائی کوئی رسوائی ہے' نہ یہاں کی عزت کوئی عزت ہے' نہ یہاں کی کامیابی کوئی کامیابی ہے' نہ یہاں کی ناکامی کوئی ناکامی ہے۔

اب یہاں پر تردید کی جا رہی ہے کہ تمہاری یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ لہٰذا آگے فرمایا: ﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ (۱۷)﴾ "ہرگز ایسا نہیں' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تم یتیموں کا اکرام نہیں کرتے"۔ دراصل جب انسان اس حقیقت کو نظر انداز کر دے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے تو پھر یہ ذہنیت بنے گی کہ ع "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کہ یہیں پر سب کچھ حاصل کر لو' جہاں داؤ لگتا ہے لگایا جائے' اور اگر نہیں لگایا تو یہ بیوقوفی ہے۔ کسی معاشرے میں یتیم چونکہ سب سے زیادہ مجبور و بے کس ہے لہٰذا اگر کسی میں ذرا بھی انسانیت ہو تو اس کا سہارا بنے گا۔ لیکن جب وہ حقیقت سامنے نہیں رہی تو پھر یتیم کی مجبوری سے بھی ناجائز فائدے اٹھائے جاتے ہیں۔ یہ گھٹیا پن کی انتہا ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے' اس کا اکرام نہیں کرتے' اس کی خاطر نہیں کرتے' اس کا خیال نہیں کرتے۔ یہ اس لیے ہے کہ آخرت تمہاری نظروں میں نہیں ہے۔ جب ذہن گھٹیا پن کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اپنا مفاد ہر حال میں عزیز ہوتا ہے۔ پھر سوچ یہ بن جاتی ہے کہ یتیم پر ظلم کر کے اگر مفاد حاصل ہوتا ہے تو کیوں نہ کروں؟ خدا خوفی جب نہیں رہے گی تو پھر یہ ذہنیت پروان چڑھے گی کہ یہ تو اللہ نے مجھے دیا ہے' میں خواہ مخواہ اس یتیم کی مدد کروں' اگر اللہ چاہتا تو اسے بھی فراوانی دے سکتا تھا۔

جب کہ دوسرا الیول یہ ہے: ﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ (۱۸)﴾ "اور تم مسکین کو کھانا کھلانے کے لیے ایک دوسرے کو تاکید نہیں کرتے"۔ مسکین محتاج، ضرورت مند کو کھانا کھلانے کی اگر خود کو توفیق نہیں ہے تو وہ دوسرے کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اگر اس سے کہا گیا کہ بھئی اس مسکین کو کھانا کھلا دو! تو وہ پلٹ کر آپ سے کہے گا کہ تمہیں بڑا خیال ہے تو تم خود کیوں نہیں کھلاتے؟ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ نہ خود خرچ کرو نہ کسی کو خرچ کرنے کی ترغیب دو۔

آگے فرمایا: ﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا (۱۹)﴾ "اور تم وراثت کا سارا مال سمیٹ کر ہڑپ کر جاتے ہو"۔ یہ اصل میں تو مشرکین مکہ اور کفار کی ذہنیت بتائی جا رہی ہے' لیکن آج مسلمان بھی اسی ذہنیت کا شکار ہیں۔ اُس وقت یہ ہوتا تھا کہ بڑا بیٹا سارے مالِ وراثت پر قابض ہو جاتا تھا۔ وہی اصول تھا "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دے دی ہے' ہمیں راستہ بتا دیا ہے کہ وراثت کیسے تقسیم ہو گی' اس کے اصول دے دیے ہیں' لیکن ہم داؤ لگانے سے کب باز آتے ہیں! الا ماشاء اللہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک لوگ باقی ہیں۔ البتہ عمومی ذہنیت یہی ہے کہ جس کا جہاں ہاتھ پڑے اس سے فائدہ اٹھائے۔ فرمایا: "تم وراثت کا مال ہڑپ کر جاتے ہو"۔ تمہارا اصل مرض یہ ہے: ﴿وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۲۰)﴾ "تم مال سے محبت کرتے ہو' انتہائی شدید محبت"۔ چند ٹکے کی خاطر ایمان بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہو۔ دو پیسوں کا فائدہ نظر آئے تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ایک طرف۔ مال کی محبت تمہیں ہر قسم کا ظلم اور گناہ کرنے پر اکساتی ہے۔

﴿كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا (۲۱)﴾ "ہرگز نہیں' (وہ دن یاد کرو) جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی"۔ وہ دن آ کر رہے گا جب اللہ کی عدالت میں پیشی ہو گی۔ دنیا میں اللہ نے چھوٹ دی ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ عبرت کی خاطر اقوام کی مانند افراد کو بھی دنیا میں مکافاتِ عمل کا مزا چکھاتا ہے، لیکن یہ دنیا اصلاً دارالحساب نہیں ہے' دارالحساب تو یوم آخرت ہے۔ اُس دن زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی۔ ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (۲۲)﴾ "اور آئے گا تیرا رب اور فرشتے جو صف در صف قطار بنائے ہوئے ہوں گے"۔ ﴿وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ﴾ "اُس دن جہنم بھی حاضر کر دی جائے گی"۔

انسان دیکھ لے گا کہ یہ ہے اصل حقیقت، آج فیصلہ ہو گا کامیابی' ناکامی کا! اُس وقت انسان کا حال کیا ہو گا: ﴿یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّكْرٰی (۲۳)﴾ "اُس دن انسان سوچے گا' لیکن اب سوچنے کا کیا حاصل جب کہ وقت گزر گیا"! دنیا میں تمہیں بار بار متوجہ کیا گیا' تم نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اب کوئی فائدہ نہیں سوچنے، غور کرنے اور پچھتانے کا۔ اس وقت کسی کی زبان پر یہ الفاظ آئیں گے: ﴿یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ "کاش کہ میں مٹی ہوتا"۔ آج میرا احساب نہ ہوتا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے شرفِ انسانیت سے ہمکنار نہ کیا ہوتا۔ چنانچہ اگلے الفاظ یہ ہیں: ﴿یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ (۲۴)﴾ "انسان (حسرت کے ساتھ) کہے گا کہ کاش میں نے اپنی اس حیات کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا"۔ ان الفاظ کے اندر اصل پیغام یہ ہے کہ اس دن انسان کو سمجھ آئے گی کہ اصل زندگی تو یہ ہے۔ تب وہ اپنا سر پیٹے گا کہ میں دنیا کو سمجھتا رہا کہ وہی اصل زندگی ہے۔ اس کے فائدے کے لیے میں نے حلال و حرام کی تمیز اٹھا

دی تھی۔ کاش کہ میں نے اس حقیقی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا! میرا فیوچر یہ تھا' لیکن میں کسی اور شے کو اپنا فیوچر سمجھتا رہا۔

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ (۲۵)﴾ ''پس اس دن جو سزا اللہ تعالیٰ دے گا ایسی سزا کوئی نہیں دے سکتا۔'' ان لوگوں کو سخت ترین سزا ملے گی جنہوں نے اس دنیا میں ان حقیقتوں کو نظر انداز کیا۔ ﴿وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ (۲۶)﴾ ''اور جیسا اللہ باندھے گا، ویسا کوئی نہیں باندھ سکتا۔'' وہاں سے کوئی بھاگ کر نہیں جا سکے گا۔

آخری آیات بہت اہم ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ کیجیے:
﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷)﴾ ''اے نفس مطمئنہ!'' اس کی تشریح میں صوفیاء نے بہت کچھ کہا ہے' لیکن اس آیت کے سیاق وسباق میں اصل پیغام یہ ہے کہ مطمئن نفس کون سا ہے؟ وہی جس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں' جس کی مثال پہلے دور میں امام احمد بن حنبلؒ اور ان جیسے بے شمار بزرگوں کی تھی۔ اِس دور میں بھی ایسے لوگ باقی ہیں جو نفس مطمئنہ کے مالک ہیں۔ جنہوں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ زندگی دارالامتحان ہے اور ہمیں ہر حال میں صبر اور شکر کی روش اختیار کرنی ہے۔ جس کیفیت سے ہم گزر رہے ہیں اس میں ہم راضی برضائے رب رہیں اور ہمیں اپنے رب کو راضی رکھنا ہے۔ اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں تو ہماری کامیابی ہے۔ یہ نفس مطمئنہ ہے' اور جیسے امام احمد بن حنبلؒ کے الفاظ تھے: اِنَّ جَنَّتِيْ مَعِيَ ایسے ہی بے شمار لوگ ہیں جن کو یہ حقیقت سمجھ میں آ گئی ہے اور وہ اسی کیفیت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

ان لوگوں کے لیے ارشاد ہو گا: ﴿ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (۲۸)﴾ ''لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ وہ تم سے راضی ہے اور تم اس سے راضی ہو۔'' یہ سب سے اونچا مقام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہم یہی کلمہ خیر کہتے ہیں: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے کہ وہ ان سے راضی ہے اور یہ اپنے رب سے راضی ہیں۔ بہرحال ان لوگوں سے اللہ فرمائے گا: ﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (۲۹)﴾ ''داخل ہو جاؤ میرے بندوں میں'' یعنی میرے وفادار بندوں میں' وہ بندے جن پر میں انعامات کی بارش کر دوں گا۔ ﴿وَادْخُلِي جَنَّتِي (۳۰)﴾ ''اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔'' ان نعمتوں میں جو ابدی اور دائمی ہیں۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ پروردگار ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے۔ (آمین!) (مرتب: فرقان دانش خان)

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

پریس ریلیز — یکم جولائی 2005ء

''آج پوری دنیا میں اجتماعی سطح پر اللہ کا نظام کہیں نافذ نہیں''

آج پورے عالم اسلام پر لاچاری اور بے بسی کی جو کیفیت طاری ہے وہ اُمت مسلمہ کے اجتماعی جرائم کی سزا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد جامع القرآن' ماڈل ٹاؤن میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی رُو سے اگر اللہ کے بعض حکموں کو مانا جائے اور بعض کو ترک کر دیا جائے تو دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ اس مسلمان قوم پر ذلت و رسوائی مسلط کر دی جاتی ہے۔ آج پوری دنیا میں اجتماعی سطح پر اللہ کا نظام کہیں نافذ نہیں۔ انفرادی سطح پر بھی ہم مسجد کی حد تک اللہ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں جبکہ اپنے کاروبار' معیشت اور معاشرت میں شرعی احکامات کی پابندی کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر **85** کی رُو سے اللہ کو یہ جزوی اور نامکمل بندگی بالکل قبول نہیں۔ چنانچہ انہی جرائم کی سزا کے طور پر امت مسلمہ کی بے بسی بیچارگی کا یہ عالم ہے کہ او آئی سی کے اجلاس میں اصل مسئلے پر کوئی بات نہیں ہوئی' نہ ہی کسی نے قرآن پاک کی بے حرمتی پر امریکہ سے یہ کہنے کی جرأت کی کہ ان مجرموں کو ہمارے حوالے کیا جائے ورنہ ہم آئندہ تمہارے ساتھ ہر قسم کا تعاون ختم کر دیں گے۔

حافظ عاکف سعید نے کہا کہ اسی طرح قیام پاکستان کے وقت اللہ سے کیے گئے نفاذ اسلام کے وعدہ کو پورا نہ کرنے کے باعث آج ہم آزاد ہوتے ہوئے بھی امریکہ کی غلامی کی شکنجے میں جکڑے جا چکے ہیں۔ لہٰذا نصاب تعلیم کا معاملہ ہو یا وانا آپریشن حتیٰ کہ مختاراں مائی کیس سمیت دیگر عدالتی معاملات میں بھی ہم امریکی ڈکٹیشن لینے پر مجبور ہیں اور ہماری حکومت امریکہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے روشن خیال اور اعتدال پسندی کی آڑ میں اسلام کی بنیادی اقدار مٹانے اور دین کا حلیہ بگاڑنے پر کمربستہ ہے۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ یہ ہمارے اجتماعی جرائم کی سزا ہے جو آج پوری ملت اسلامیہ پاکستان بھگت رہی ہے۔ یہ سمجھنا کہ ہمارے تمام مسائل کا ذمہ دار کوئی فرد واحد ہے کہ اگر اُسے ہٹا دیا جائے تو یہ معاملات ٹھیک ہو جائیں گے' حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے بلکہ اللہ کی ناراضگی کی اصل وجہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مذہبی طبقات اور خواص وعوام سمیت کسی طبقے نے بحیثیت مجموعی اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا نہیں کی۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ موجودہ ذلت و رسوائی سے نکلنے کے لیے ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنا قبلہ درست کرنا ہو گا۔ انفرادی سطح پر ہر فرد اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا عزم مصمم کرے اور اجتماعی سطح پر قوم اگر اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائے تو آج بھی اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ کی حمایت ہمیں حاصل ہو گئی تو قرآن کی رُو سے کوئی قوت مسلمانوں پر غالب نہیں آ سکتی۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی)

❁❁❁

افغانی کا مذہبی اجتہاد

سید قاسم محمود

مصری سیاست میں شیخ کی سیاست کا بڑا واقف کار اور شیخ کا رفیق محمد عبدہٗ تھا جس نے اپنی تصانیف میں ان کی سوانح عمری کے لیے بہت معتبر مواد جمع کر دیا ہے۔ وہ ایک مقام پر مصر کے ان حالات کا خاکہ پیش کرتا ہے جن حالات میں شیخ نے وہاں کی سیاسیات میں ہاتھ ڈالا۔ جیسا کہ مصر کی تاریخ کے ہر پڑھنے والے کو معلوم ہوگا مصر میں برطانوی مداخلت کے دو ہی اسباب تھے۔ اول خدیو اسماعیل کی فضول خرچیاں اور دوئم ہندوستان کا تحفظ۔ اسماعیل کی فضول خرچیوں نے اسے یورپ کے ساہوکاروں کا غلام بنا دیا اور بالآخر نہر سویز کے حصص فروخت کر کے اس نے ہمیشہ کے لیے نہ صرف مصر کی آزادی کا بیع نامہ لکھ دیا بلکہ ہندوستان کی غلامی کو بھی دوامی بنا دیا۔ یہ واقعات 1875ء اور 1880ء کے درمیان پیش آئے اور یہی زمانہ مصر میں شیخ کی کوششوں کے آغاز کا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ترکی کی قوت کو میدان جنگ میں ایک سخت ترین صدمہ پہنچا کر روس نے قسطنطنیہ کے دروازے پر ملت عثمانی کی موت کا نقارہ بجا دیا تھا۔ یہی سلسلہ واقعات تھا جو بالآخر مصر میں برطانوی سیادت پر منتہی ہوا۔ برلین میں دُوَلِ یورپ کی خفیہ کانفرنس نے ان اسلامی ممالک کی تقسیم کا مسئلہ طے کر دیا تھا۔ قبرص پر برطانیہ کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔ فرانس کو تیونس پر قبضہ کر لینے کی اجازت دی گئی۔ مصر کی مالیات پر برطانیہ اور فرانس کی مشترکہ سیادت طے کی گئی۔ شام میں فرانس کے حقوق کو قائم کر دیا گیا اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام اسلامی ممالک کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ خدیو اسماعیل اپنے یورپی قرض خواہوں سے تنگ آ کر اہل ملک کی ہمدردیوں کا متلاشی ہوا اور مصری قوم پرستوں کو خوش کرنے کے لیے اس نے آئینی اصلاحات کے وعدے بھی کر لیے' لیکن آئینی اصلاحات یورپین سیاسیات کے لیے سم قاتل ثابت ہوئیں' اس لیے دُوَل نے یورپین ساہوکاروں کے دباؤ میں خدیو کو اس کے ارادہ سے روکا۔ بالآخر فرانس اور برطانیہ کے اثرات نے سلطان کو مجبور کر کے اسماعیل کو معزول کرا دیا۔ اسماعیل نے جو کچھ وعدے شیخ کی جماعت سے کیے تھے' عارضی طور پر اسماعیل کی برطرفی کے بعد ان کا خاتمہ ہو گیا'

شہزادہ توفیق کی بے وفائی

لیکن شیخ کی کمان میں ابھی دوسرا تیر باقی تھا اور وہ شہزادہ توفیق تھا جو خفیہ طور پر شیخ کی جماعت میں شریک تھا اور شیخ کے اصولوں کا حامی تھا' اس لیے جب اسماعیل کی برطرفی کے بعد سلطان نے توفیق کو اس منصب پر نامزد کیا تو مصری قوم پرستوں کی امیدیں پھر ہری ہو گئیں۔ شیخ اور ان کی جماعت جو بادشاہوں کی خود مختاری کو مٹانے پر تلی ہوئی تھی اور ازہر کے خلوت خانوں میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسماعیل کو اس کے جرائم کی پاداش میں قتل کر دیا جائے' توفیق کی مسند نشینی پر قدرتاً ناخوش تھی لیکن شیخ کو بادشاہوں کے وعدوں سے ابھی کئی دفعہ دھوکے کھانے تھے۔ وہ افغانستان میں بادشاہی درباروں کے رنگ دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی توفیق سے امید کا رشتہ جوڑے ہوئے تھے' لیکن ان کو جلد معلوم ہو گیا کہ بادشاہوں کا التفات چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ وہی توفیق جو چند روز پہلے شیخ سے کسب سعادت حاصل کر رہا تھا' ابھی دو ہی دن تخت حکومت پر بیٹھا ہو گا کہ اپنے تمام وعدوں کو بھول گیا اور برطانوی اثرات سے متاثر ہو کر شیخ کی جلا وطنی پر آمادہ ہو گیا۔

توفیق جو شیخ کی جماعت کا رکن تھا۔ ایک ہی مہینہ میں کچھ سے کچھ ہو گیا۔ وہ دو طرف کی آگ میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک طرف دول یورپ کے قنصل خانے اس پر ہر قسم کا دباؤ ڈال کر اپنے سرمایہ داروں کے روپیہ کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور اس کی ایک ہی صورت تھی کہ رعایا کو آئینی حقوق نہ دیئے جائیں اور دوسری طرف توفیق کے عہد شہزادگی کے وہ اصلاح طلب احباب تھے جو اب وعدوں کے ایفا کا مطالبہ کر رہے تھے۔ توفیق جانتا تھا کہ اس جماعت کے ساتھ وعدہ خلافی کس قدر خطرناک ہے۔ وہ شیخ کی جماعت میں رہ کر ان کی قوت سے واقف تھا اور کچھ عجب نہیں کہ اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ شیخ شہنشاہیت کے اس درجہ دشمن ہیں کہ جن سروں پر تاج رکھا ہو' ان کو بھی کٹوا دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ضرور جانتا ہو گا کہ بادشاہوں کی زندگی کو ختم کرا دینا شیخ کے سیاسی اصولوں کا ایک اہم جزو تھا۔ یہ راز کچھ ہی روز بعد ظاہر ہوا جب تحریک اصلاح کے اثرات مصری فوج میں نمایاں ہوئے اور فلاحین کے لیڈر احمد بے اعرابی نے توفیق کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ اعرابی نے اپنی قید کے زمانہ میں جو حالات لکھے تھے ان کا ذکر بلنٹ نے اپنی Secret History of the Occupation of Egypt میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اعرابی شیخ کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر تھا اور اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے کہ خدیو اسماعیل کو قتل کرانے کی سازش شیخ اور مفتی محمد عبدہٗ کے درمیان ہوئی تھی اور تجویز یہ تھی کہ خدیو کو قصر النیل کے پل کے قریب قتل کیا جائے اور بظاہر اسباب میں شک نہیں کہ اگر اسماعیل کو سلطان نے معزول نہ کر دیا ہوتا تو اس کا شیخ کی جماعت سے وہی حشر ہوتا جو بعد کو شاہ ایران کا ہوا۔ اس واقعہ کی مزید تصدیق مفتی عبدہٗ کے اس بیان سے ہوتی ہے جو بعد کو بلنٹ نے شائع کیا۔ اس بیان میں بقول بلنٹ مفتی محمد عبدہٗ کہتے ہیں کہ:

''اسماعیل کو معزول کرنے کا مشورہ اس زمانہ میں ہو رہا تھا اور شیخ جمال الدین نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اسماعیل کو کسی دن جب وہ اپنی سواری میں قصر نیل کے پل پر آتے جاتے ہوں' قتل کر دیا جائے اور میں اس تجویز سے بالکل متفق تھا مگر یہ گفتگو ہم ہی دو کے درمیان ہو کر رہ گئی' اس لیے کہ اس وقت اس کام کا کرنے والا کوئی آدمی ہمارے پاس نہ تھا۔ اگر اس وقت ہماری ملاقات اعرابی سے ہوتی تو ہم اس کے ذریعہ اس کام کا ضرور انتظام کرتے اور بہتر صورت یہی تھی۔ اس لیے کہ اس صورت میں یورپ کی مداخلت کا موقع پیدا نہ ہوتا مگر اہل ملک کی جہالت اور کمزوری کے باعث اس وقت یہ امید نہ تھی کہ ہم جمہوریہ قائم کر سکتے''۔

اگر توفیق کے علم میں یہ چیز تھی کہ شیخ کی جماعت وعدہ فروشوں کے ساتھ کیا عمل کر سکتی ہے تو ذرا بھی تعجب نہیں کہ اس نے با اختیار ہوتے ہی سب سے پہلے شیخ ہی کو مصر سے خارج البلد کیا۔

قصہ مختصر شیخ کے سیاسی عقائد کا یہ ایک عجیب پہلو تھا جو پہلی دفعہ مصر میں بے نقاب ہوا' لیکن شیخ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں کہیں اپنے اس عقیدہ کو ظاہر نہیں کیا کہ شہنشاہیت کو فنا کرنے کے لیے بادشاہوں کا قتل بھی جائز ہے گو کہ بلنٹ اور مفتی عبدہٗ کا بیان اور خود شہنشاہیت کے خلاف شیخ کی نفرت جو ان کے اقوال و اعمال سے اکثر ظاہر ہوا کرتی ہے' خیال کو ضرور اس طرف رجوع کرتی ہے کہ شاید ان کے سیاسی عقائد کا یہ بھی ایک جزو ہو۔ پھر شاہ ایران کے قتل میں ان کی سازش' جس کی بعض شہادتیں ملتی ہیں' اس گمان کو مزید تقویت پہنچاتی ہے۔ بہر حال اس امر سے قطع نظر کر کے وہ یہ عقیدہ رکھتے یا نہ رکھتے تھے' یہ تو ماننا پڑے گا کہ شہنشاہیت کے ساتھ اُن کی دشمنی بہت شدید تھی۔

مصر میں ان کی عملی زندگی کا دوسرا پہلو جو بہت زیادہ نمایاں ہوا تھا' وہ تھا جس کی مثال ممالک اور اقوام کی تاریخ میں بہت کم ملے گی یعنی ایک غیر ملک کے آدمی نے ایک اجنبی ملک کو شیخ کی طرح اپنا وطن اور ایک غیر قوم کو اپنی قوم بنا کر اس قدر کامیاب سیاسی بیداری پیدا کر دی۔ یہ امتیاز شیخ

ہی کو حاصل تھا کہ وہ مصری نہ تھے' مگر مصر کے حقوق کے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ کامیاب داعی تھے' ترک نہ تھے مگر ترکوں کی قومی زندگی کے سب سے زیادہ طاقتور کارساز تھے' وہ ایرانی نہ تھے مگر ایران میں حقوق عامہ کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ وہ ایک جاہل افغان قوم کے فرد تھے مگر اپنی حریت کا سکہ انہوں نے مصر و ایران و ترکی میں جاری کیا تھا۔ تاریخ عالم میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔

شیخ کی شہرت ان سے پہلے ہندوستان پہنچ چکی تھی۔ کیا قیامت ہے کہ ہندوستان میں شیخ کی اقامت کے متعلق جو کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں' وہ تنہا انگریزی ذرائع سے۔ مصر سے جو شہرت لے کر وہ ہندوستان آئے تھے' اس کے تمام کانٹے برطانوی حکومت کی آنکھ میں چبھ گئے مگر اس کا کوئی پھول اہل ہند کی نظروں میں نہ سما سکا۔ یہ تھا قومی ادبار جو ہم پر مسلط ہو چکا تھا۔

افغانی کا مذہبی اجتہاد

گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ شیخ کی زندگی کا تیسرا زبردست عنصر ان کا مذہبی اجتہاد تھا۔ بلنٹ لکھتا ہے کہ:

"گزشتہ دو سو برس میں بہت سے واعظ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے ہمیشہ یہ تلقین کی کہ اسلام کے تنزل کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں نے شریعت کی اس طرح پابندی اور دیرینہ روایات کا وہ احترام کرنا ترک کر دیا جو ابتدائے اسلام میں شعار اسلامی تھا۔ علاوہ بریں ترکی اور مصر میں ایسے مصلحین پیدا ہوئے جنہوں نے سیاسی اغراض کے لیے حکومت کا یورپین نقشہ بنایا مگر ان مصلحین نے جو اصلاحات کیں وہ بہ جبر کی گئیں' شاہی احکام کے ذریعے سے یا علما کو مجبور کر کے مگر کبھی کوئی ایسی کوشش نہیں کی گئی کہ ان سیاسی اصلاحات کو قرآن و حدیث کے مطابق ثابت کیا جاتا۔ گویا اس طرح سیاسی اصلاحات ہمیشہ طبقہ اعلیٰ کی طرف سے نافذ کی گئیں اور عوام کے دلوں میں ان کی جگہ پیدا نہ ہو سکی۔ جمال الدین کی ذہانت و جدت یہ تھی کہ انہوں نے اسلامی ممالک کے مذہبی خیالات رکھنے والے لوگوں کی ذہنیت کی اصلاح کرنے کی کوشش کی اور اس امر کی تبلیغ و تلقین کی کہ اسلام کے حالات پر نظر ثانی کی جائے اور بجائے ماضی سے لپٹے رہنے کے جدید علوم کے ساتھ پرانی ذہنیت کے بدلنے کی تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔ قرآن و حدیث سے ان کی وسیع واقفیت نے ثابت کیا کہ اگر صحیح معنی سمجھے جائیں اور شریعت و اصلاحات سیاسی کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت اسلام کے اندر نہایت وسیع تغیرات کی گنجائش موجود ہے اور مشکل سے کوئی اصلاح ایسی ہوگی جو شریعت کے خلاف ہو...... مصر میں شیخ نے اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کر دیا تھا کہ اسلام انسان کی تمام ضروریات کا کفیل ہونے کے قابل ہے اور عہد جدید کی تمام ضروریات کو پورا کر سکتا ہے...... علما کے ضمیر و تخیل کو وہ ان زنجیروں سے آزاد کرنا چاہتے تھے جس میں کئی صدیوں سے وہ جکڑے ہوئے پڑے تھے اور ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اسلام ایک مردہ قالب نہیں ہے مگر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ مغرب میں اصلاح کی اس تحریک کا آغاز ایک ایسے شخص سے ہوا جس نے وسط ایشیا کے جمود میں پرورش پائی تھی اور پھر کس قدر تعجب ہے کہ اس اصلاحی تحریک کا آغاز اس دور دراز دارالعلوم (ازہر) میں کیا گیا"۔

غرض کہ بقول بلنٹ "مصر کی اس ذہنی اور اخلاقی تاریکی کی حالت میں جمال الدین کی تعلیمات ایک عجیب روشنی لے کر ہویدا ہوئیں"۔ اور ٹھیک اس زمانہ میں ہویدا ہوئیں جب مصر کی آزادی کا آخری سانس لیا جا رہا تھا۔

شیخ کا سب سے بڑا جانشین' دیار مصر کا مفتی اعظم شیخ محمد عبدہٗ تھا' جس نے شیخ کے دائرہ تلقین و تبلیغ میں آ کر بہت بلند مرتبہ حاصل کیا۔ اسی طرح مصر کا ایک مشہور اخبار نویس شیخ ابراہیم الاغانی شیخ کے شاگردانِ خاص میں سے ایک تھا۔ جب شیخ کو توفیق نے خارج البلد کیا تو ان کے ساتھ آئندہ ہونے والے جانشین مفتی محمد عبدہٗ بھی مدرسہ کی ملازمت سے برطرف کر کے نکالے گئے۔ استاد اور شاگرد اس جلاوطنی کے بعد پھر پیرس میں اپنی تحریک کے ایک نئے مرکز پر یکجا ہونے والے تھے۔

ایک بار پھر ہندوستان میں

مصر کو خیر باد کہہ کر شیخ نے حجاز جانے کا ارادہ کیا' لیکن پھر ایک دفعہ وہ ہندوستان آئے۔ انہوں نے ہندوستان میں اس زمانہ سے بھی بدتر زمانہ پایا جو پہلے دیکھ چکے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کے کسی مورخ اور وقائع نگار کے ہاتھ میں قلم نہ تھا جو شیخ کے حالات لکھتا۔ حالانکہ اس دفعہ شیخ کی شہرت ان سے پہلے ہندوستان پہنچ چکی تھی۔ کیا قیامت ہے کہ ہندوستان میں شیخ کی اقامت کے متعلق جو کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں' وہ تنہا انگریزی ذرائع سے۔ مصر سے جو شہرت لے کر وہ ہندوستان آئے تھے' اس کے تمام کانٹے برطانوی حکومت کی آنکھ میں چبھ گئے مگر اس کا کوئی پھول اہل ہند کی نظروں میں نہ سما سکا۔ یہ تھا قومی ادبار جو ہم پر مسلط ہو چکا تھا۔

اس دفعہ کم و بیش دو سال شیخ ہندوستان میں رہے' لیکن ان کی زندگی کا یہ سارا زمانہ ایک بند کتاب ہے جس کی چند سال سے لوگ جستجو کر رہے ہیں مگر پتہ نہیں پاتے اور میں بھی ان ہی تہی دستانِ قسمت میں سے ایک ہوں۔

شیخ کے قیام کے متعلق ساری پونجی جو میسر آتی ہے' وہ یہ ہے:

(1) بلنٹ کے روزنامچہ کے چند ورق۔

(2) بلنٹ کی "انڈیا انڈر رپن" کی چند سطور۔

(3) رسالہ "معلم" حیدرآباد دکن کے چند مضامین اور

(4) "ردّ نیچریہ" کے 74 صفحات۔

بس یہ کائنات ہے جو شیخ کی زندگی کے متعلق ہندوستان والوں کے پاس ہے اور وہ بھی زیادہ تر دوسروں کی دی ہوئی۔

اس دفعہ شیخ کا زیادہ قیام حیدرآباد میں رہا اور وہیں کی صحبتوں میں لوگوں نے کچھ ان کے علم و فضل کی جھلک دیکھی۔ آخر 1883ء میں جب بلنٹ نے ہندوستان کا سفر کیا تو حیدرآباد میں اس نے شیخ کا نام سید علی بلگرامی وغیرہ سے سنا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ سید علی مرحوم شیخ کی قابلیت کے بہت معترف تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ:

"شیخ اتنے زیادہ سوشلسٹ اور تیز مزاج کے تھے کہ کسی اصلاحی کام کی تکمیل نہ کر سکتے تھے"۔

سید علی بلگرامی کے علاوہ نواب رسول یار جنگ سے بھی شیخ کے بہت تعلقات تھے۔ بقول بلنٹ نواب رسول یار جنگ کہتے تھے کہ "شیخ کے پایہ کا کوئی عالم ہندوستان میں نہیں"۔ ان کے علاوہ کلکتہ کے مولوی عبداللطیف سے بھی شیخ کے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ بلنٹ نے شیخ کے معتقدین کی ایک جماعت سے ہندوستان میں ملاقات کی تھی اور اپنے روزنامچہ میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ "وہ سب نوجوان ہیں' طلباء اور پُرجوش نوجوان' مجھے اندیشہ ہے کہ یہ سب انگلستان سے دلی نفرت رکھتے ہیں۔ مذہب کے متعلق ان سب کے خیالات وسیع ہیں۔ درحقیقت وہی خیالات ہیں جو جمال الدین کے ہیں"۔

بلاشبہ انہوں نے حیدرآباد میں اسی لیے قیام کیا ہوگا کہ اس زمانہ میں وہ مقام اہل علم و فضل کا بہت بڑا مرکز تھا اور یقیناً وہاں وہ اپنے کام سے غافل نہ رہے ہوں گے مگر اب کون بتائے کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ قرائن یہ ہیں کہ حیدرآباد میں وہ علانیہ اپنے سیاسی خیالات کا اظہار نہ کرتے تھے اور اگر کرتے بھی تھے تو خاص خاص احباب کی صحبتوں میں۔ البتہ علمی موضوعات پر وہ مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ رسالہ "معلم" کی اشاعت جنوری 1881ء میں ان کا ایک مضمون "تعلیم و تربیت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جو میرے پاس موجود ہے۔

(جاری ہے)

پردہ اٹھنے کی منتظر تھی نگاہ (گزشتہ سے پیوستہ)

”دہشت گرد ہم نہیں تم ہو!“

زنجیروں میں جکڑے ہوئے عرب مجاہد کا متعصب امریکی فوجی کو دندان شکن جواب!

متعصب اور مغرور امریکی فوجیوں کے سامنے عرب قیدی کی ایمان افروز تقریر جس میں ہم مسلمانوں کے لیے بھی سبق آموزی کا وافر سامان موجود ہے۔

عرب مجاہدین اور طالبان پر امریکہ و شمالی اتحاد کے فوجیوں کے ظلم وستم کی روح فرسا تفصیلات اور مجاہدین کے ایمان افروز کردار کی نقاب کشائی پر مشتمل چشم کشا داستان' شمالی اتحاد کے ایک سابق فوجی مومند خان کی زبانی جسے بعد میں اللہ نے توبہ کی توفیق نصیب فرمائی

(بشکریہ: نوائے وقت سنڈے میگزین' اشاعت 8 مئی 2005)

مرتب: ارشاد احمد ارشد

قندھار ایئر پورٹ پر لائے جانے والے عرب قیدیوں میں ایک دراز قد لمبی داڑھی اور خوبصورت چہرے والا قیدی بھی تھا اسکے متعلق خیال تھا کہ وہ اہم آدمی ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اس عرب قیدی کی وجاہت' استقامت' عزم اور حوصلے نے مجھے پہلی نظر میں ہی متاثر کر لیا۔ امریکیوں نے حسب معمول مجاہدین کو زنجیروں میں جکڑ کر اور شکنجوں میں کس کر تشدد کا نشانہ بنایا۔ امریکی کی گفتگو کے اختتام پر دراز قد عرب انگریزی میں یوں گویا ہوا۔

”مسٹر! قوموں کا ماضی ان کے حال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آؤ! میں اور تم اپنے اپنے ماضی پر نگاہ ڈالیں تم خود کو جمہوریت کا علمبردار اور انصاف پسند کہتے ہو جبکہ ہم تمہارے نزدیک دہشت گرد ہیں۔ حالانکہ دہشت گرد ہم نہیں تم ہو۔ ہم تمہارے ”نام نہاد انصاف“ کے ڈسے ہوئے ہیں۔ ہمارا اور تمہارا ماضی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو چکا ہے۔ یہ ماضی بتاتا ہے کہ جب صلیب کے پرستاروں نے بیت المقدس فتح کیا تو مسلمانوں کے خون کے دریا بہا دیئے۔ گھوڑوں کے سم مسلمان کے خون سے تر بتر ہو گئے۔ حتیٰ کہ گلیوں میں پانی کی طرح مسلمانوں کا خون بہہ نکلا۔ اس کے مقابلے میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا۔

ہم نے عیسائیوں کے ساتھ عدل وانصاف کی جو فقید المثال سلوک کیا اس کے معترف تمہارے مؤرخ بھی ہیں۔ ذرا یاد کرو اندلس کی تاریخ کو اندلس میں ہم نے تمہیں کیا کچھ نہیں دیا تھا۔ علم' حکمت' دانائی اور دولت سے ہم نے اندلس کے خزانوں کو بھر دیا۔ ہم نے انگلی پکڑ کر چلنا اور ہاتھ پکڑ کر یورپ کو لکھنا سکھایا۔ تمہاری یونیورسٹیوں' تجربہ گاہوں اور دانش گاہوں میں صدیوں تک ہمارے حکماء و فلاسفہ کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھائی جاتی رہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب تمہارے پادری اور پوپ جاہل ہونا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ مسلمانوں سے متاثر ہو کر اگر کوئی تمہارا فرد علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو کلیسا کے ارباب اختیار اسے زندہ گاڑ دیتے۔ مذہبی پیشوا معاشرے کا سب سے معزز فرد ہوتا ہے۔ مگر تمہارے ہاں ولد الحرام خائن اور ڈاکو قسم کے لوگ مسند پاپائیت پر فائز ہوتے رہے۔

> ”ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے افغانستان پر حملہ کیا ہے کیونکہ اس سے جہاں اسلامی دنیا کو تمہارا اصلی چہرہ دیکھنے کا موقع ملا ہے وہاں ہم میں سے بھی اللہ نے بے مخلص مسلمانوں اور منافقین کو الگ الگ کر دیا ہے۔“

یہ وہ حقائق ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہو چکے ہیں۔ اگر تم میں ہمت ہے' جرأت ہے' حوصلہ ہے تو پھر آؤ واشنگٹن کی کسی لائبریری میں چلیں شہر تمہارا' لائبریری تمہاری اور کتابیں بھی تمہاری' اس بات کا فیصلہ تمہاری کتابیں کریں گی کہ جب ہمارا عروج تھا۔ اقتدار تھا تو ہم نے تمہیں کیا دیا اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آج تمہارا عروج ہے تو فلسطین کا چپہ چپہ چیخ چیخ کر بہ زبان حال بتا رہا ہے کہ تم مسلمانوں کے ساتھ کیا کر رہے ہو۔ یہودی آج تمہاری کھونٹی پر بندھے ناچ رہے ہیں اور تمہاری شہ پر مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ انہی یہودیوں کو ہم نے اندلس میں جگہ دی' پناہ دی' عزت دی اور احترام دیا۔ جب اندلس میں تمہارا اقتدار آیا تو تم نے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا' تب خلافت عثمانیہ نے اپنے دروازے یہودیوں کے لیے کھول دیئے۔

”آؤ! اپنے دانشوروں' مورخوں اور اصحاب علم کی موجودگی میں میرے ساتھ گفتگو کر لو۔ اگر حقائق اس کے برعکس ہوں تو پھر واقعی ہم دہشت گرد ہیں۔ اگر حقائق یہی ہوں تو پھر جس طرح تمہارے ضمیر اور دل سیاہ ہیں اس طرح اپنے چہروں پر کالک مل کر انہیں بھی سیاہ کر لو۔ اس لیے کہ کالے کرتوت' کالے دل اور کالے ضمیر کے ساتھ سفید چہرے کوئی مناسبت نہیں رکھتے ہیں۔“

تم کہتے ہو ہم چور ہیں' ڈاکو ہیں۔ واللہ! ایسی بات ہرگز نہیں۔ ہم سب پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ ہم میں سے کوئی انجینئر ہے تو کوئی ڈاکٹر' کسی کا تعلق Business Family سے ہے۔ اگر ہم اپنے وطنوں میں ہوتے تو ماہانہ لاکھوں ڈالر کما رہے ہوتے۔ لیکن مسلمانوں پر تمہارے ظلم اور ناانصافی نے ہمیں گھروں سے نکلنے اور ہتھیار اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کو تم دہشت گردی کہتے ہو جبکہ ہمارے نزدیک جہاد ہے۔

تم کہتے ہو ہم دولت کے بھوکے ہیں اور تمہارے ڈالروں کی کشش ہمیں افغانستان میں کھینچ لائی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس طرح جہاد کے میدانوں میں اللہ نے روسی اسلحہ بطور غنیمت ہمیں عطا کیا' ایسے ہی تمہاری دولت اللہ نے مال غنیمت کے طور پر ہمارے مقدر میں لکھ دی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ جہاد کی برکت ہے اور ہماری فتح کا پیش

خیمہ ہے۔ حق و باطل کے معرکہ ہائے عظیم کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے‘ اس معرکہ میں باطل مغلوب اور حق غالب آ کر رہے گا۔ اگر حق کی فتح کا منظر ہم نہ دیکھ سکے تو ہماری آنے والی نسلیں دیکھیں گی‘ تم دنیا میں مسلمانوں کا جو خون بہا رہے ہو اگر ہم اس خون کا اخراج اور انتقام نہ لے سکے تو ہمارے آنے والی نسلیں انتقام لیں گی۔ ان شاء اللہ

ہماری داڑھیاں مونڈ کر‘ ہمیں تشدد کا نشانہ بنا کر‘ ہمیں زنجیروں اور شکنجوں میں جکڑ کر‘ ہمارے بچوں کو شہید کر کے سمجھتے ہو کہ ہمیں ذلیل و رسوا اور ہماری تحقیر کا سامان کر دیا ہے جبکہ ہمارے نزدیک یہ سب باتیں کامیابی‘ اللہ کی قربت و رضا اور عزت کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ تمہاری جنگ شخصیات کے خلاف نہیں‘ اسامہ اور ملا عمر کے نام تم آڑ کے طور پر استعمال کر رہے ہو۔ اصل میں تمہاری جنگ اسلام کے خلاف ہے‘ تم اسلام کی حقانیت و صداقت سے خوف زدہ ہو‘ دنیا میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ نے تمہیں حواس باختہ کر دیا ہے۔ اسلام کو مٹانے کے لیے تم جو تدبیریں اور چالیں چل رہے ہو یہی تدبیریں تمہارے لیے پھانسی کا پھندہ بن جائیں گی۔ تم اپنی افرادی اور عسکری قوت و طاقت پر نازاں ہو‘ ہمیں اپنی ایمانی قوت پر ناز ہے‘ تمہیں ابلیس پر بھروسہ ہے‘ ہمیں اللہ پر اعتماد ہے۔ تم خوش ہو کہ افغانستان میں آ کر ہماری قوت و طاقت کو منتشر کر دیا ہے‘ ہم سمجھتے ہیں کہ تم آئے نہیں لائے گئے ہو۔ تمہاری آمد تاریخی اعتبار سے فرعون سے مشابہت رکھتی ہے کہ وہ طاقت کے گھمنڈ میں آ کر بے خانماں بنی اسرائیلیوں کے تعاقب کے لیے بحیرہ قلزم کی طرف روانہ ہوا تو دریائے نیل کی موجیں فرعون اور اس کے لشکر کے لیے موت کا گھاٹ بن گئیں۔ اللہ نے چاہا تو افغانستان سے بھی تمہارے لاشے اٹھیں گے‘ تمہاری طاقت کا بت انہی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوگا اور تمہارا انجام روس سے بھی عبرتناک ہوگا۔ تم واشنگٹن سے افغانستان میں لاؤ لشکر اور اسلحہ لے کر آئے ہو۔

آخر کیوں......؟ سوال یہ کہ ہم پر تشدد کرنے یا ہمیں قتل کر دینے کے علاوہ تم کر بھی کیا سکتے ہو؟

ہماری داڑھیاں مونڈ کر‘ تشدد کا نشانہ اور ہمیں قتل کرنے کے عمل کو تم ’’عبرتناک‘‘ موت کہتے ہو‘ یاد رکھو......! ہمارے نزدیک یہ عبرت کی نہیں بلکہ سعادت و خوش بختی کی موت ہے۔ ہمارا دین ایسی موت کو شہادت کی موت کہتا ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اسے شہادت کی موت نصیب ہو جائے۔ ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے افغانستان پر حملہ کیا ہے کہ اس سے جہاں اسلامی دنیا کو تمہارا اصلی چہرہ دیکھنے کا موقعہ ملا ہے وہاں ہم میں سے بھی اللہ نے سچے و مخلص مسلمانوں اور منافقین کو الگ کر دیا ہے۔

’’ہماری داڑھیاں مونڈ کر‘ ہمیں تشدد کا نشانہ بنا کر‘ ہمیں زنجیروں اور شکنجوں میں جکڑ کر‘ ہمارے بچوں کو شہید کر کے سمجھتے ہو کہ ہمیں ذلیل و رسوا اور ہماری تحقیر کا سامان کر دیا ہے جبکہ ہمارے نزدیک یہ سب باتیں کامیابی‘ اللہ کی قربت و رضا اور عزت کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ تمہاری جنگ شخصیات کے خلاف نہیں‘ اسامہ اور ملا عمر کے نام تم آڑ کے طور پر استعمال کر رہے ہو۔ اصل میں تمہاری جنگ اسلام کے خلاف ہے‘ تم اسلام کی حقانیت و صداقت سے خوف زدہ ہو‘ دنیا میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ نے تمہیں حواس باختہ کر دیا ہے۔ اسلام کو مٹانے کے لیے تم جو تدبیریں اور چالیں چل رہے ہو یہی تدبیریں تمہارے لیے پھانسی کا پھندہ بن جائیں گی۔‘‘

مسٹر! بزدلی اور میدان جنگ سے عین موقعہ پر راہ فرار اختیار کرنا تمہاری تاریخ کا حصہ ہے۔ ہمارا قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰؑ کو اللہ نے زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا‘ تمہاری مذہبی روایات کہتی ہیں کہ جب عیسیٰؑ کو پھانسی دی جانے لگی تو عین موقعہ پر ان کے ساتھی جانیں نثار کرنے کی بجائے بھاگ اٹھے تھے۔

کیا تمہیں یاد نہیں کہ جب ارض فلسطین پر صلاح الدین ایوبی نے تمہارے بڑوں کو پے در پے عبرتناک شکست دی تو تمہارے بڑوں میں سے ایک نے اپنی بہن صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک العادل کو رشوت کے طور پر پیش کر کے مسیحی دنیا کے لیے جان کی امان طلب کرنے کی کوشش کی تھی۔

مسٹر!

تم ہمارے نہیں اپنے انجام کی فکر کرو!

’’ہم زندہ رہے تو غازی‘ تمہارے ہاتھوں مارے گئے تو شہادت کی موت پائیں گے۔ تم سوچو تمہارا کیا بنے گا؟ دریں حالات اگر تم اپنے عبرتناک انجام سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ‘ اللہ کی بندگی میں آ جاؤ اور محمد رسول ﷺ کا دامن تھام لو۔ یہی ایک صورت ہے تمہارے بچاؤ کی۔‘‘

جب وہ عرب گفتگو کے اس مقام پر پہنچا تو اس کی آواز بھرا گئی‘ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں‘ اس نے اپنے خوبصورت نورانی چہرے کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لرزیدہ آواز میں اللہ سے یوں ہمکلام ہوا۔

’’اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! تو گواہ رہنا! میں نے تیرا سچا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا ہے‘‘۔

’’اے اللہ! تیرے یہ بندے نہیں جانتے‘ ہدایت کیا ہے‘ گمراہی کیا ہے‘ سچ کیا ہے‘ جھوٹ کیا ہے‘ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اے اللہ! اپنے ان بندوں پر رحم فرما‘ انہیں جہنم سے بچا لے‘ جہنم سے بچا لے‘‘

اس کے بعد وہ عرب رندھی ہوئی اور لرزیدہ آواز میں عربی زبان میں مناجات کرنے لگا۔ اس کی آواز میں اتنا سوز اور اتنا درد تھا‘ اس کی گفتگو میں اتنا تسلسل اور بے ساختگی تھی کہ اس کا ایک ایک لفظ شبنم کے موتیوں کی طرح میرے دل دماغ اور روح کو معطر کرتا چلا گیا۔ میری روح کے تار لرز اٹھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سچا انسان اور صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔ جو کہہ رہا ہے دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا ہے۔ وہ جب خاموش ہوا تو وہاں ایک سناٹا تھا‘ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ زنجیروں میں جکڑا ہوا عرب قیدی نہیں بلکہ آزاد ہے۔ وہ امریکی جو تھوڑی دیر پہلے فر فر بول رہا تھا‘ اس کی زبان گویا گنگ اور جسم شل ہو چکا تھا‘ تقریباً دس منٹ تک خاموشی چھائی رہی‘ اس کے بعد امریکی نے سر اٹھایا‘ ایک نظر عرب قیدی کے چہرے پر ڈالی اور حلق سے ایک لمبی غراہٹ آمیز آواز نکالتا ہوا واپس پلٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی دیگر امریکی بھی لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے اسکے پیچھے چل نکلے۔

یہ پہلا واقعہ تھا جس نے میرے دل پر کاری ضرب لگائی‘ میری سوچوں کے دریچے وا کر دیئے‘ مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں جتنا سوچتا مجھے اتنا ہی یقین ہوتا گیا کہ یہ لوگ دولت و اقتدار کے بھوکے نہیں نہیں ڈالروں کی کشش افغانستان میں کھینچ کر نہیں لائی‘ یہ دہشت گرد نہیں‘ یہ دنیا کہ امن و امان کو تاراج کرنے والے نہیں‘ معصوم جانوں سے کھیلنا اور بیگناہوں کا خون بہانا ان کا شیوہ نہیں بلکہ ان کے مقاصد عظیم و جلیل ہیں۔ یہ بات کے پکے‘ قول کے سچے‘ گفتار کے کھرے اور سیرت کے اجلے انسان ہیں۔ میں نے اپنا موازنہ ان لوگوں سے کیا تو مجھے اپنے اور ان کے گفتار و کردار میں کھلا اور واضح تضاد و فرق نظر آیا۔ جب امریکہ نے افغانستان پر یلغار کی تو ساتھ ہی ڈالروں کا سیلاب بھی آیا۔ 100 سے 150 ڈالر روزانہ کے عوض مجھ جیسے ہزاروں افغانیوں نے اپنے وطن کی تباہی و بربادی اپنے ہم وطنوں اور عربوں کے قتل عام میں حصہ لیا۔ دوسری طرف امریکہ نے اسامہ کے عوض طالبان کو اربوں ڈالر کی پیشکش کی‘ لیکن طالبان نے زبان نہیں ہاری‘ قول و کردار کو داغدار نہیں کیا‘ حکومت گنوا دی اسامہ سے کئے ہوئے عہد کو

نہیں گنوایا' جانبازی و جاں سپاری' عہد کی وفاداری و پاسداری کی ایسی مثال قائم کردی جو صرف کھرے انسان اور سچے مسلمان کا شیوہ ہی ہوسکتا ہے۔

ایک طرف بے خانماں عرب' دوسری طرف اربوں ڈالر کی امریکی پیشکش۔ آخر وہ کون سا جذبہ اور کون سا رشتہ و تعلق تھا کہ جس نے طالبان کو عربوں کے ساتھ وفاداری کی ایسی نادر مثال قائم کرنے پر مجبور کر دیا؟ یہ سوچ اور سوال میرے لیے ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوا۔ تاہم قدرت کو ابھی میرا مزید امتحان مطلوب تھا اور امریکی بربریت و اسلام دشمنی کے مزید واقعات کو دیکھنا میری قسمت میں لکھا تھا۔''

''مسٹر! قوموں کا ماضی ان کے حال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آؤ! میں اور تم اپنے اپنے ماضی پر نگاہ ڈالیں تم خود کو جمہوریت کا علمبردار اور انصاف پسند کہتے ہو جبکہ ہم تمہارے نزدیک دہشت گرو ہیں۔ حالانکہ دہشت گرد ہم نہیں تم ہو۔ ہم تمہارے ''نام نہاد انصاف'' کے ڈسے ہوئے ہیں۔ ہمارا اور تمہارا ماضی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو چکا ہے۔ یہ ماضی بتاتا ہے کہ جب صلیب کے پرستاروں نے بیت المقدس فتح کیا تو مسلمانوں کے خون کے دریا بہا دیے۔ اس کے مقابلے میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا۔ ہم نے عیسائیوں کے ساتھ عدل و انصاف کی جو فقید المثال سلوک کیا اس کے معترف تمہارے مؤرخ بھی ہیں۔''

سقوط افغانستان اور مسلمانوں کے ساتھ امریکیوں کی مخاصمت کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے شاید ابھی تک پردہ نہیں اٹھا۔ وہ یہ کہ مختلف محاذوں سے جب عرب مجاہدین یا طالبان گرفتار ہوتے تو انہیں خصوصی طور پر قندھار میں ضرور لایا جاتا۔ قیدیوں کو قندھار میں مطلوبہ مدت تک پابہ زنجیر رکھا جاتا' پھر قندھار ایرپورٹ سے جہازوں میں سوار کر کے براستہ ترکی کیوبا پہنچایا جاتا' یہ نہیں کہ ایئرپورٹ صرف قندھار میں ہے' افغانستان کے اور بھی بہت سے شہروں میں ایئرپورٹ ہیں۔ اس کے باوجود قیدیوں کا قندھار میں لایا جانا بظاہر ایک تکلف' تردد اور تعجب والی بات تھی۔ یہ بات واضح ہے کہ امریکی کوئی کام بغیر کسی مقصد کے نہیں کرتے۔ ان کے ہر کام کے پیچھے کوئی مقصد اور راز ہوتا ہے۔ ایک دن باتوں باتوں میں' میں نے اپنے بسیار خور شرابی امریکی سے (جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں) یہی سوال پوچھا۔ وہ کہنے لگا:

''ہاں دوست! ان قیدیوں کو قندھار میں لانے کی ایک خاص وجہ ہے جس سے عام لوگ آگاہ نہیں...... جب روس کے خلاف افغانی نبرد آزما ہوئے تو اس وقت پوری دنیا میں جہاد کی ایک لہر اٹھی۔ دنیا بھر سے جوق در جوق مسلمان افغانستان پہنچنے لگے۔ مسلمانوں میں بڑھتا ہوا جذبہ جہاد بلاشبہ ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ زوال روس کے بعد اس خطرے سے نمٹنے کے لیے ہم نے جہادی میدانوں میں صف آراء مسلمانوں کو باہم صف آراء کر دیا۔

یوں یہ آپس میں ہی ٹکرانے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد ہمیں احساس ہوا کہ ہماری یہ پالیسی کوئی زیادہ سودمند ثابت نہیں ہو رہی۔ اس کے بعد جب طالبان کی حکومت افغانستان میں مستحکم ہو گئی تو مسلمانوں کے جہادی میدان نئی سج دھج سے آباد ہونے لگے۔ افغانستان پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے بیس کیمپ کی حیثیت اختیار کر گیا۔ افغانستان کے وہ تربیتی کیمپ جو روسی افواج کی آمد کے موقع پر ہمارے ڈالروں سے تعمیر ہوئے' تیار ہوئے اور آباد ہوئے' طالبان

''ایک طرف بے خانماں عرب' دوسری طرف اربوں ڈالر کی امریکی پیشکش۔ آخر وہ کون سا جذبہ اور کون سا رشتہ و تعلق تھا کہ جس نے طالبان کو عربوں کے ساتھ وفاداری کی ایسی نادر مثال قائم کرنے پر مجبور کر دیا؟''

کے وقت میں یہی کیمپ امریکہ کو ملیامیٹ کر دینے کے نعروں سے گونجنے لگے۔ سیاسی و انتظامی اعتبار سے افغانستان کا دارالحکومت کابل ہے تو دینی اعتبار سے افغانستان کا پایۂ تخت قندھار کو سمجھا جاتا تھا۔ قندھار طالبان تحریک کا مرکز' ملا عمر کا آبائی شہر تھا۔ اس شہر میں طالبان اور عرب مجاہدین اسلام کی بالادستی' جہاد کے احیاء و فروغ اور ہمیں ملیامیٹ کر دینے کے منصوبے اور پروگرام بناتے تھے۔

سو عرب مجاہدین اور طالبان کو گرفتار کر کے قندھار کے گلی کوچوں میں ذلیل و رسوا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا پر اسلام کے غلبہ اور امریکہ کی تسخیر کے خواب دیکھنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ قندھار کے چپہ چپہ پر ہمارا قبضہ ہے۔ وہ شہر جس پر ملا عمر اور اسامہ کا جھنڈا لہراتا تھا' آج اس پر ہمارا پرچم سربلند ہے۔ قندھار کی وہ مسجدیں اور عمارتیں جن میں ہماری شکست اور اسلام کی بالادستی کی دعائیں کی جاتی تھیں وہاں اب یسوع مسیح کے نام لیوا و جانثار براجمان ہیں۔ اسلامی دنیا کے حکمران پہلے ہی ہمارے اشاروں پر ناچ رہے ہیں' اس کے بعد یہ چند سر پھرے مسلمان جو ہمارے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے' ہم چاہتے ہیں کہ ان کے جسموں کو ہی نہیں بلکہ ان کی اسلامی روح کو بھی کچل دیں' ان کے ضمیروں کو مردہ کر دیں' ان کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور ان کی شخصیت کو چور چور کر دیں۔ نفسیاتی اعتبار سے اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ شہر جس میں یہ سربلند ہو کر چلا کرتے' وہ عمارتیں جن میں یہ عزت کے ساتھ فروکش ہوتے' اس شہر اور انہی عمارتوں میں ان کو جانوروں کی طرح باندھا جائے اور کتوں جیسا سلوک کیا جائے' تاکہ یہ اپنی موجودہ اور سابقہ زندگی کا موازنہ کریں اور حسرت بھری نظروں سے اس شہر کے در و دیوار کو دیکھیں اور انہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ اسلام کی بالادستی کا خواب دیکھنا دیوانے کی بڑ ہے۔ مزید یہ کہ امریکہ ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر ہے۔'' جب اس نے گفتگو ختم کی تو میرے ذہن میں پیدا ہونے والا ایک سوال اچانک ہی لفظوں کی صورت میں میری زبان پر آ گیا۔ میں نے اس سے کہا ''بھائی بتاؤ تو سہی کہ تمہیں اپنے منصوبے میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے؟''

''ہم اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنے ایمان میں بڑے پکے اور پختہ ہیں۔ انہیں کسی چیز کی پرواہ' غم اور فکر نہیں۔ ان کے نزدیک حکومت کے ختم ہو جانے کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ ہم نے ان کے جسموں کو قید کر لیا ہے مگر ان کی روحیں آزاد ہیں۔ ان پر قدغن لگانا' انہیں قید کرنا اور ان کے دل و دماغ میں اپنی قوت و طاقت کا رعب بٹھانا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ بلاشبہ یہ بڑے خطرناک لوگ ہیں۔ ایسے لوگ دوستی اور دشمنی بڑے کھرے' سچے اور مخلص ہوتے ہیں۔ ان کی دوستی اپنے دین اور اللہ کے ساتھ ہے اور یہ ہر اس شخص کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جو ان کے قرآن اور نبی ﷺ کا دشمن ہے۔''

''ہم اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔''
اس کا یہ جواب میری توقع اور سوچ کے بالکل برعکس تھا۔
''مگر کیوں؟''
''اس لیے کہ یہ لوگ اپنے ایمان میں بڑے پکے

اور پختہ ہیں۔ انہیں کسی چیز کی پروا، غم اور فکر نہیں۔ ان کے نزدیک حکومت کے ختم ہوجانے کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ ہم نے ان کے جسموں کو قید کر لیا ہے مگر ان کی روحیں آزاد ہیں۔ ان پر قدغن لگانا' انہیں قید کرنا اور ان کے دل و دماغ میں اپنی قوت وطاقت کا رعب بٹھانا ہمارے لیے ممکن نہیں۔

> ”یہ پہلا واقعہ تھا جس نے مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں جتنا سوچتا مجھے اتنا ہی یقین ہوتا گیا کہ یہ لوگ دولت واقتدار کے بھوکے نہیں انہیں ڈالروں کی کشش افغانستان میں کھینچ کر نہیں لائی' یہ دہشت گرد نہیں' یہ دنیا کے امن وامان کو تاراج کرنے والے نہیں' معصوم جانوں سے کھیلنا اور بیگناہوں کا خون بہانا ان کا شیوہ نہیں بلکہ ان کے مقاصد عظیم وجلیل ہیں۔ یہ بات کے پکے' قول کے سچے' گفتار کے کھرے اور سیرت کے اجلے انسان ہیں۔“

بلاشبہ یہ بڑے خطرناک لوگ ہیں۔ ایسے لوگ دوستی اور دشمنی میں بڑے کھرے' سچے اور مخلص ہوتے ہیں۔ ان کی دوستی اپنے دین اور اللہ کے ساتھ ہے اور یہ ہر اس شخص کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جو ان کے قرآن اور نبی ﷺ کا دشمن ہے۔“

امریکی نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا: ”آخر تم بتاؤ ہم کیا کریں؟ کیا ہم ان چند سر پھرے مسلمانوں کی خاطر عیسائیت کو چھوڑ دیں' صلیب کو ترک کر دیں اور اسلام کی بالادستی قبول کر لیں......؟؟؟؟“

”نہیں ہرگز نہیں' ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔“

امریکی نے جو کہنا تھا کہہ دیا لیکن میرے ضمیر نے مجھے اسلامی حمیت کا ایک چرکہ لگا دیا۔ میں نے خود سے سوال کیا۔ مومند خان! ایک یہ امریکی ہے جو شرابی بھی ہے' بدکار بھی اور بداعمال بھی ہے۔ تم بھی شرابی اور بدکار ہو' مگر یہ امریکی بدکار ہونے کے ساتھ متعصب عیسائی بھی ہے اور تم مسلمان کیوں نہیں ہو؟

یہ شراب کے ہر گھونٹ کے ساتھ صلیب کی باتیں کرتا ہے اور تم ہوش وحواس میں ہونے کے باوجود اپنے ہم مذہبوں کو گالیاں دیتے ہو' چند ڈالروں کے عوض اپنے دین کو رسوا اور عیسائیت کو بالادست کرنے پر تلے بیٹھے ہو! افسوس ہے تمہاری زندگی پر' جوانی پر اور سوچ پر۔“

اس واقعہ نے میرے اندر کے مسلمان کو جھنجھوڑ دیا۔ اسلامی حمیت قدرے بیدار ہوئی تو اس کے بعد تقریباً ہر وہ امریکی جس کا میں نے مشاہدہ کیا وہ مجھے مسلمانوں کے حق میں غیر معقول' متعصب اور متشدد نظر آیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ مسلمانوں پر تشدد کرنے والوں میں غالب اکثریت یہودیوں کی تھی اور اس مقصد کی خاطر عام نہیں بلکہ خاص قسم کے امریکیوں کی ڈیوٹیاں لگائی جاتی تھیں۔ امریکی افسر اور عرب قیدی کی گفتگو کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اس گفتگو میں امریکی لاجواب ہو چکا تھا۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ امریکیوں کی اکثریت انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکی ہے۔ مزید یہ کہ امریکی عیسائیت کی بالادستی کے لیے گھروں سے نکلے ہیں اس لیے وہ دہشت گردی کی آڑ میں مسلمانوں کو ہر صورت تباہ برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ کاش! یہ منظر دیکھنے کے لیے میں زندہ نہ ہوتا یا پھر زمین کا سینہ پھٹ جاتا اور میں اس میں دھنس جاتا۔

> ”آؤ! اپنے دانشوروں' مورخوں اور اصحاب علم کی موجودگی میں میرے ساتھ گفتگو کر لو۔ اگر حقائق اس کے برعکس ہوں تو پھر واقعی ہم دہشت گرد ہیں۔ اگر حقائق یہی ہوں تو پھر جس طرح تمہارے ضمیر اور دل سیاہ ہیں اس طرح اپنے چہروں پر کالک مل کر انہیں بھی سیاہ کر لو۔ اس لیے کہ کالے کرتوت' کالے دل اور کالے ضمیر کے ساتھ سفید چہرے کوئی مناسبت نہیں رکھتے ہیں۔
> (عرب قیدی کا امریکی فوجی کو چیلنج)“

اس سے زیادہ دیکھنے اور سننے کا میرے اندر حوصلہ نہیں تھا۔ جس جگہ ہم موجود تھے وہاں کسی افغانی کو اسلحہ کے ساتھ آنے کی اجازت نہ تھی وگرنہ دل چاہتا تھا کہ میرے پاس رائفل ہو تو ایک ایک امریکی کے سینے میں گولی اتار دوں۔ وہاں سے میں اپنی رہائش پر پہنچا۔ مختصر سا سامان اور کلاشنکوف کندھے پر لٹکا کر نکل پڑا...... ایک نئی منزل کی طرف گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اپنے گناہوں کی سیاہی کو دشمنان اسلام کے خون سے مٹانے اور دھونے کے لیے۔ اس یقین' عزم' جذبے' حوصلے اور ولولے کے ساتھ کہ جو اللہ مجھ جیسے سیاہ کار' گناہگار اور خطا کار کو گناہوں کی دلدل سے نکال کر راہ ہدایت پر لا سکتا ہے' اس کی توفیق سے اور بھی بہت سے بھٹکے ہوئے مسلمان راہ ہدایت پر آئیں گے۔

”میں اس وقت کہاں ہوں' یہ بتانا ضروری نہیں۔ مختصر یہ کہ جہاں بھی ہوں اپنے گناہوں کا بھرپور کفارہ ادا کر رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب میری گن میرے دین کے دشمن امریکیوں کے خلاف شعلے اگل رہی ہے۔“

میرے گناہ بے حد وشمار اور لاتعداد ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ شہادت تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ بس اب صرف شہادت کی موت کا متلاشی ہوں تاکہ اپنے اللہ کے ہاں سرخرو ہوسکوں۔ پاکستانی قوم اور امت مسلمہ کے نام میرا پیغام ہے۔ اے میرے مسلمان بھائیو! پوری دنیا کا کفر اسلام کو مٹانے کے لیے ایک ہو چکا ہے۔ بس تم بھی اپنے باہمی اختلافات کو ختم کر کے ایک ہو جاؤ۔

بقیہ: اداریہ

ہماری دعا ہے کہ برادر اسلامی ملک کا نیا رہبر ایران میں سوشل جسٹس کے قیام سے باقی اسلامی دنیا کے لئے مثال بنے۔ یہی سوشل جسٹس حقیقی اسلامی نظام کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ ہم پاکستان کے حکمرانوں' اپوزیشن اور دانشوروں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ خطے کے عوام کے تیور پہچانیں اور انہیں سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ یہاں بھی سوشل جسٹس کا قیام ناگزیر ہو چکا ہے اور محمد عربی ﷺ کے نظام کو مزید التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا' اس نظام کا قیام اور ہمارا آزاد وجود اب لازم وملزوم ہو چکے ہیں۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ نظام باطل ہمارے وجود کے لئے کینسر بن چکا ہے۔ اس موذی مرض کے خلاف بروقت جدوجہد نہ کی گئی تو بعد از وقت کوئی حکیم حاذق بھی ہمارے اُس جسد کو برقرار نہیں رکھ سکے گا جس کی روح پہلے ہی مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی ہے۔

دعائے مغفرت

☆ تنظیم اسلامی سکھر کے امیر جناب سہیل خورشید جو امیر تنظیم اسلامی کے عزیزوں میں سے ہیں' کی والدہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔

☆ تنظیم اسلامی سندھ زیریں کے ملتزم رفیق محمد شاہد صاحب کے والد محترم وفات پا گئے ہیں۔

☆ تنظیم اسلامی سندھ زیریں کے رفیق لیفٹیننٹ کرنل (ر) ممتاز احمد خان قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں۔

رفقاء واحباب اور قارئین سے مرحومین کے حق میں دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ایڈیٹر کی ڈاک

✿ ''ندائے خلافت'' میں ''وہ کون تھا؟'' کا نیا قسط وار سلسلہ بہت اچھا اور معلوماتی ہے۔ اسے جاری رہنا چاہیے۔ صحیح جواب دینے والوں کو بانیٔ محترم کی کوئی کتاب انعام میں دینی چاہیے۔ آئندہ شمارے میں جب صحیح جواب کا اعلان کیا جائے تو جس کتاب سے مواد اخذ کیا گیا ہے اُس کا بھی حوالہ دیا جائے۔

(محمد سعید کاظمی' طارق روڈ' کراچی)

[مشورے صائب ہیں۔ یہ مضمون متعدد کتابوں کے مطالعے کے بعد لکھا جاتا ہے۔ تاہم ابتدائی دو مضامین (حسن البنا شہید اور امام شافعیؒ) محترمہ تائرہ صہیب کی زیر طبع تالیف ''اسلام کی عظیم شخصیات'' سے لیے گئے تھے۔]

(س ق م)

✿ اس وقت میرے سامنے ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' کا خصوصی شمارہ ''تحریک پاکستان نمبر'' موجود ہے۔ مجلہ اپنی خوبصورتی سے مالا مال ہے اور اپنے مرتب و مؤلف کی محنت و لگن' حسن انتخاب' معیاری مواد' باعتبار ترتیب اور اعلیٰ ذوق کا بہترین اظہار ہے۔ اس سے قبل جو چھ ''خصوصی نمبر'' شائع ہوئے ہیں وہ اپنی نوعیت کے منفرد شمارے ہیں۔ آپ نے ''تحریک پاکستان نمبر'' کے اداریے میں سہواً ''مسئلہ کشمیر نمبر'' کا ذکر نہیں کیا جو کئی اعتبارات سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ بہر حال ''ندائے خلافت'' کے ساتھ خصوصی نمبر ترتیب دینے پر آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

اداریہ میں آپ نے آئندہ جس خصوصی شمارہ کی ترتیب کا ارادہ ظاہر کیا ہے ہم اس کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جلد از جلد توفیق عطا فرمائے۔

(ضمیر اختر خان)

[ان شاء اللہ اگست میں یوم آزادی کے موقع پر پیش ہوگا۔ مدیر]

✿ یہاں کراچی مرکز درخشاں پر ندائے خلافت کے دو عدد خصوصی شمارے ''نظریۂ پاکستان نمبر'' اور ''تحریک پاکستان نمبر'' رعایتی قیمتوں پر دستیاب ہو گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خصوصی شمارے اگر مجلد نہیں تو کم از کم کتابی سائز میں شائع ہونے چاہئیں۔ الحمد للہ میرے پاس انڈیا سے چھپا ہوا ندائے خلافت کا ''عراق نمبر'' بھی ہے اور آپ کے التفات کے سبب ''خصوصی اقبال نمبر'' مطبوعہ قرآن اکیڈمی بھی حاصل ہو گیا تھا۔ اقبال اکادمی کا نسخہ کافی گراں ہے۔ لیکن ہے بہت ہی عمدہ اور نفیس۔

ازراہ مہربانی واپسی ڈاک مجھے سقوط ڈھاکہ نمبر ارسال فرما دیں نیز اگر کشمیر اور افغانستان پر بھی کوئی نمبر شائع فرمایا ہو تو وہ بھی روانہ کر دیجیے گا۔ جس طرح عراق اہم ہے اس سے کہیں زیادہ یہ دونوں خطے ہمارے لیے اہم ہیں اور پھر ہمارے پڑوس میں بھی ہیں۔

نظریۂ پاکستان نمبر میں کتابیات کے تحت اگر کتب کے ناشرین کا نام پتہ بھی دے دیا جاتا تو کچھ کتب کے حصول میں بڑا معاون رہتا کیونکہ اس موضوع کے لیے بھی مستقبل میں انسائیکلوپیڈیا وغیرہ یا پھر لغت کی ضرورت پیش آیا کرے گی۔ (تنویر احمد بٹ' کراچی)

✿ 7 تا 13 اپریل 2005ء کے ندائے خلافت میں پوپ جان پال کی وفات کی خبر دی گئی۔ خبر میں کئی جگہ پوپ کے لیے تعریفی کلمات بیان کیے گئے۔

سوال یہ ہے کہ ایک شخص جو تثلیث کا پجاری ہوتے ہوئے اس باطل عقیدے پر مرا اور سیدھا جہنم رسید ہوا۔ علمائے اسلام نے قرآن و حدیث کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں اس کی ملت سے تعزیت کرنا جائز نہیں۔ نہ ہی ایسے شخص کی آخری رسومات میں شرکت جائز ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کے بارے میں تعزیتی کلمات یا تعریفی کلمات چھاپنا ٹھیک نہیں۔

جہاں تک پوپ کا عیسائی اور مسلم رہنماؤں کو مفاہمت کے لیے اکٹھا کرنا ہے تو اس بارے میں قرآن کی آیات گواہ ہیں کہ یہود و نصاریٰ اُس وقت تک مسلمانوں سے راضی نہیں ہو سکتے جب تک ہم اُن کی مکمل پیروی نہ کریں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ اللہ کا انکار کرتے ہیں ہم بھی اللہ کا انکار کرنے والے بن جائیں۔

حدیث ((الکفر ملة واحدة)) ''عالم کفر ایک ملت ہے'' کے مطابق چاہے پوپ ہو' بش ہو' شیرون یا تمام کافر ممالک یہ ایک دوسرے کے ساتھی اور حق کے مخالف ہیں۔ لہٰذا ان سے اچھائی کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ امید ہے ان گزارشات پر غور فرمائیں گے۔

(شاہد اقبال' لاہور)

✿ ''ضرب ناحق'' کے جواب میں جو کچھ اختصار کے ساتھ لکھا گیا' میں تو صرف اتنا ہی کہنا کافی سمجھوں گا کہ جو چاند پر تھوکنے کی جسارت کرتا ہے تو وہ تھوک پلٹ کر اسی کے چہرے پر گرتی ہے۔

میری عمر کوئی 24 سال ہو گی کہ علمائے دین کی تقاریر سننے اور ریکارڈ کرنے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے بھاگا کرتا تھا۔ لیکن انہوں نے زیادہ تر ایک ہی سبق از بر کر دیا۔ بقول اقبالؒ

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

پھر اچانک ایک درویش حق کی پہلی ہی پکار پر ایک بہت بڑی فکر نے آدبوچا۔ بقول اقبالؒ

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تو ایسے مجاہد حق کی پکار کو یہود و نصاریٰ اور ان کے ایجنٹ کیسے پھلتا پھولتا دیکھ سکتے ہیں! اگر پہلے بھی میر جعفر پیدا ہوئے ہیں تو آج کا دور تو ہے ہی حُب جاہ و مال کا۔ یہ وہی علماء سوء ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''حق'' جانتے ہوں گے لیکن غلط بیانی کریں گے۔

آخر میں میرا وہی مشورہ ہے جو جناب حافظ ثناء اللہ صاحب نے (خبریں 25 مئی 2005ء) دیا ہے کہ آپ اپنا کام کرتے جائیں اور قرآن کے دشمنوں کو اپنا کام کرنے دیں۔

ہاں اگر آپ کو کہیں یہ خیال آیا ہو کہ اس ''ضرب ناحق'' کی خبر کی وجہ سے لوگوں کی چاہت کم نہ ہو جائے تو از روئے قرآن و حدیث اللہ ایسی قادر ہستی ہے جو شر سے بھی خیر برآمد کر لیتا ہے۔ ایسے وسوسے سے اللہ کی پناہ مانگیے اور اس کا کام اس کو کرنے دیجیے کیونکہ

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(مقصود احمد بٹ' پھالیہ' رفیق تنظیم)

✿ ندائے خلافت کے شمارہ 16 میں آمنہ اشفاق صاحبہ نے اسلام میں توبہ کی اہمیت پر ایک مضمون لکھا ہے۔ اُس میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میں ایک دن میں ستر بار توبہ کرتا ہوں'' اُس کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے تحریر کیا ہے کہ وہ بھی انسان تھے اور انسان سے خطا سرزد ہونا فطری عمل ہے۔

اُن کی خدمت میں آپ کی وساطت سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جب کوئی مضمون تحریر کریں تو اس کا جواب اگر قرآن اور سنت سے معلوم ہو تو وہی جواب تحریر کیا کریں۔ حضرت مغیرہؓ سے جو متفق علیہ حدیث ہے اُس میں بتایا گیا کہ وہ راتوں کو جو کھڑے رہتے تھے اور پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے تو وہ ''عبداً شکوراً'' بننا چاہتے تھے۔

شمارہ 17 میں ''دین و دنیا کی باتوں میں'' ایک بہتر سالہ لکھاری نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اسی سالہ بنا دیا ہے۔ اُن سے بھی گزارش ہے کہ اگر قائد اعظم اور علامہ اقبال کے بعد ڈاکٹر اسرار صاحب پر کچھ لکھیں تو ذرا انجمن خدام القرآن پشاور سے ہی صحیح معلومات حاصل کر لیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ابھی ماشاء اللہ ''بہتر سالہ'' ہی ہیں۔

''ندائے خلافت'' کے ذریعہ قوم کی بہت خدمت ہو رہی ہے۔ اس کے مضامین پر آپ کے مجلس ادارت کے بہت اچھے کارکنان اگر ذرا نظر ڈال لیں تو ان شاء اللہ مزید بہتر کام ہو جائے گا۔

(ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ' مدیر ماہنامہ کوثر' لاہور)

یہ کون ہیں؟

فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اردگرد کے بت اور بت خانے بھی برباد کرا دیے۔ عزیٰ' سواع اور منات کے بت توڑنے کے لیے دستے بھیجے تھے۔ عزیٰ کا بت خانہ قبیلہ ہوازن کی شاخ بنوثقیف کے علاقے میں تھا۔ بنوہوازن ایک بڑا قبیلہ تھا اور قریش مکہ اور بنوہوازن کے بہت سے مفادات مشترکہ تھے' اور قریش پر رسول اللہ ﷺ کی فتح سے وہ سارے مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے۔ مکہ فتح ہو جانے سے ریاستِ مدینہ کی حدود بنوہوازن کے علاقوں سے مل گئی تھیں۔ بنوہوازن سوچنے لگے تھے کہ اگر مکہ کے قریش بھی اسی جذبے اور ایثار سے اسلام کی تبلیغ اور ریاست مدینہ کی توسیع میں مصروف ہو گئے' جس قوتِ ایمانی اور ایثار و قربانی سے مدینہ کے انصار اور مہاجرین مصروف ہیں تو مکہ کے قریش کی قوتِ فراست اور صلاحیت مسلمانوں کی قوت میں بے پناہ اضافہ کر دے گی۔ اس صورت میں اُن کے لیے اپنے مفادات اور معبودوں کی حفاظت کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

ان سارے پہلوؤں پر غور کر کے بنوہوازن نے جزیرہ نمائے عرب کے بتوں اور بت خانوں کی حفاظت کا سرنگوں جھنڈا آگے بڑھ کر خود اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ عربوں میں گرا ہوا جھنڈا اٹھانا اور پھر سے بلند کرنا بڑے فخر و افتخار کی بات ہوتی تھی۔ اگر بنوہوازن اس جھنڈے کو اٹھانے اور پھر سے سربلند کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو جزیرہ نمائے عرب میں انہیں وہی مقام و مرتبہ حاصل ہو جائے گا جو قریش مکہ کو حاصل ہوا کرتا تھا۔ پھر مکہ فتح ہو جانے کے باوجود بہت سے قریش مکہ کے بہت سے سردار ابھی تک اپنے آبائی دین پر تھے۔ بنوہوازن نے سوچا کہ اگر وہ مکہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں تو قریش کے یہ سردار بھی اُن کے ساتھ مل جائیں گے اور وہ اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کے خلاف ایک وسیع تر متحدہ محاذ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اسلام کی توسیع کے آگے مضبوط دیوار بن جائیں گے۔

چنانچہ باہمی صلاح مشورے کے بعد بنوہوازن نے بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا۔ سب قبیلوں کے سرداروں نے مالک بن عوف کو مشترکہ لشکر کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو بنوہوازن کے لشکروں کی مکہ پر چڑھائی کی خبر ملی تو آپؐ نے اپنے ایک صحابی کو ہوازن کے لشکروں کے بارے میں جاسوسی کرنے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا' اور ہدایت فرمائی کہ وہ ان کے لشکروں میں شامل ہو جائیں اور پوری تفصیلات معلوم کر کے واپس آئیں۔ اُن صحابی نے ایسا ہی کیا اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو تفصیلی رپورٹ پیش کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اُن کے اپنے علاقے میں اُن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور لشکر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ مدینہ سے آنے والے دس ہزار صحابہؓ تھے۔ مکہ کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا' وہ بھی تیار ہو گئے۔ نواح مکہ کے اسلام قبول کرنے والے بھی اللہ کے رسولؐ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ مکہ کے قریش کے وہ سردار بھی تیار ہو گئے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بعض مشرک بھی رسول اللہ ﷺ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اللہ نے اپنے رسول کو اب تک ہر میدان اور ہر مقابلے میں کامیابی عطا کی تھی۔ مکہ کی مشرک عورتیں بھی مالِ غنیمت سے کچھ مل جانے کی امید میں اس لشکر کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ مکہ سے جو لوگ شریک ہوئے' اُن کی تعداد دو ہزار تھی۔ اللہ کے رسولؐ نے صفوان بن اُمیہ سے ایک سو ڈھالیں' اور زرہیں ادھار لیں' تاکہ لشکر کی اسلحے کی ضروریات پوری کی جا سکیں' اور جو لوگ ہتھیار نہیں خرید سکتے' اُنہیں مسلح کیا جا سکے۔ آپؐ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے بھی تین ہزار نیزے مستعار لیے اور لڑائی کے اخراجات کے لیے قریش مکہ سے قرض بھی لیا۔

جب آپؐ کے جاسوس صحابی نے دشمن کے لشکر کے بارے میں پوری معلومات فراہم کر دیں تو رسول کریم ﷺ نے وادی کے دہانے پر اسلامی لشکر کے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا۔ سامان اتر چکا تو آپؐ نے عصر کی نماز کے بعد اردگرد کا جائزہ لیا۔ آپؐ میدان جنگ میں اترنے سے پہلے شب ہی کو اپنے لشکر کے مختلف دستوں اور اُن کے کمانداروں کو بتا دیا کرتے تھے کہ صبح انہوں نے کس ترتیب سے لڑائی میں اُترنا ہے۔ کس کا دستہ کہاں ہوگا' میمنہ کی کمان کون کرے گا' میسرہ میں کس کے ساتھی کون ہوں گے۔ یہ سب کچھ رات ہی کو سمجھا دیا کرتے تھے اور لشکر کو جنگی ترتیب دے دیا کرتے تھے' تاکہ صبح ہوتے ہی سب اپنے اپنے مقام پر پوزیشن سنبھال لیں۔ اُس شام بھی آپؐ نے لشکر ترتیب دیا اور سب کو اُن کی پوزیشن سمجھا دی۔

حنین کی اس وادی میں لشکر کی خیمہ اندازی اور خاص ترتیب میں آنحضور ﷺ کے صحابی کی سراغ رسانی کا بھی حصہ تھا جو بنوہوازن میں شامل ہو کر' اُن کی جاسوسی کر کے مصدقہ اطلاعات لائے تھے۔ یہ صحابی کون ہیں؟ اُن کا نام کیا ہے؟ آپ کو اُن کا نام معلوم نہ ہو تو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر کسی بھی اچھی اور معیاری کتاب میں معلوم ہو جائے گا۔ جستجو شرط ہے۔ خط ضرور لکھیے اور اُن قارئین کو بھی بتائیے' جنہیں معلوم نہ ہو سکا ہو۔

شخصیت 4......مطبوعہ شمارہ نمبر 23

''یہ کون ہیں؟'' صحیح جواب ہے: امام محمد بن سیرینؒ۔ آپ حضرت انسؓ بن مالک کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت انسؓ کے کاتب بھی تھے۔ صحیح جواب ''ندائے خلافت'' کے دو قارئین نے دیا ہے۔

☆ شوکت حسین انصاری صاحب' ملتان۔

☆ جاوید اختر' وہاڑی۔

☆ محترمہ بینا صدف' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔

(س ق م)

ضرورت رشتہ

☆ عمر 24 سال' قد 5 فٹ 2 انچ' رنگ گندمی' تعلیم DIT' B.Com کورس۔ رہائش سوسائٹی کراچی لڑکی کے لیے دینی مزاج کے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
فون نمبر: 021-4387841

☆ ملتان میں مقیم قریشی خاندان کی 25 سالہ تعلیم یافتہ' خوش شکل اردو سپیکنگ بیٹی کے لیے دینی مزاج کے حامل خاندان سے برسرِروزگار بیٹے کا رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ: محمد ادریس قریشی
فون: 0301-7422696

☆ لاہور میں مقیم' عمر 24 سال' تعلیم ایم ایس سی فزکس' جامعہ اشرفیہ سے 4 سالہ عالمہ کورس کی تکمیل یافتہ' شرعی پردے کی پابند بیٹی کے لیے دینی مزاج کے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
رابطہ: اظہار حسین۔ فون: 042-6551279

☆ لاہور میں مقیم' بی ایف اے' 22 سال' نماز روزہ کی پابند کے لیے موزوں رشتہ درکار ہے۔
رابطہ: حافظ رفیق۔ فون: 0300-7422696

یہ کون ہیں؟

فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اردگرد کے بت اور بت خانے بھی برباد کرا دیے۔ عزیٰ' سواع اور منات کے بت توڑنے کے لیے دستے بھیجے تھے۔ عزیٰ کا بت خانہ قبیلہ ہوازن کی شاخ بنوثقیف کے علاقے میں تھا۔

بنوہوازن ایک بڑا قبیلہ تھا اور قریش مکہ اور بنو ہوازن کے بہت سے مفادات مشترکہ تھے' اور قریش پر رسول اللہ ﷺ کی فتح سے وہ سارے مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے۔ مکہ فتح ہو جانے سے ریاستِ مدینہ کی حدود بنو ہوازن کے علاقوں سے مل گئی تھیں۔ بنو ہوازن سوچنے لگے تھے کہ اگر مکہ کے قریش بھی اسی جذبے اور ایثار سے اسلام کی تبلیغ اور ریاست مدینہ کی توسیع میں مصروف ہو گئے' جس قوتِ ایمانی اور ایثار وقربانی سے مدینہ کے انصار اور مہاجرین مصروف ہیں تو مکہ کے قریش کی قوتِ فراست اور صلاحیت مسلمانوں کی قوت میں بے پناہ اضافہ کر دے گی۔ اس صورت میں اُن کے لیے اپنے مفادات اور معبودوں کی حفاظت کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

ان سارے پہلوؤں پر غور کر کے بنو ہوازن نے جزیرہ نمائے عرب کے بتوں اور بت خانوں کی حفاظت کا سرنگوں جھنڈا آگے بڑھ کر خود اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ عربوں میں گرا ہوا جھنڈا اٹھانا اور پھر سے بلند کرنا بڑے فخر و افتخار کی بات ہوتی تھی۔ اگر بنو ہوازن اس جھنڈے کو اٹھانے اور پھر سے سربلند کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو جزیرہ نمائے عرب میں انہیں وہی مقام و مرتبہ حاصل ہو جائے گا جو قریش مکہ کو حاصل ہوا کرتا تھا۔ پھر مکہ فتح ہو جانے کے باوجود بہت سے قریش مکہ کے بہت سے سردار ابھی تک اپنے آبائی دین پر تھے۔ بنو ہوازن نے سوچا کہ اگر وہ مکہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں تو قریش کے یہ سردار بھی اُن کے ساتھ مل جائیں گے اور وہ اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کے خلاف ایک وسیع تر متحدہ محاذ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اسلام کی توسیع کے آگے مضبوط دیوار بن جائیں گے۔

چنانچہ باہمی صلاح مشورے کے بعد بنو ہوازن نے بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا۔ سب قبیلوں کے سرداروں نے مالک بن عوف کو مشترکہ لشکر کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو بنو ہوازن کے لشکروں کی مکہ پر چڑھائی کی خبر ملی تو آپؐ نے اپنے ایک صحابی کو ہوازن کے لشکروں کے بارے میں جاسوسی کرنے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا' اور ہدایت فرمائی کہ وہ ان کے لشکروں میں شامل ہو جائیں اور پوری تفصیلات معلوم کر کے واپس آئیں۔ اُن صحابی نے ایسا ہی کیا اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو تفصیلی رپورٹ پیش کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اُن کے اپنے علاقے میں اُن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور لشکر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ مدینہ سے آنے والے دس ہزار صحابہؓ تھے۔ مکہ کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا' وہ بھی تیار ہو گئے۔ نواح مکہ کے اسلام قبول کرنے والے بھی اللہ کے رسولؐ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ مکہ کے قریش کے وہ سردار بھی تیار ہو گئے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بعض مشرک بھی رسول اللہ ﷺ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اللہ نے اپنے رسول کو اب تک ہر میدان اور ہر مقابلے میں کامیابی عطا کی تھی۔ مکہ کی مشرک عورتیں بھی مالِ غنیمت سے کچھ مل جانے کی امید میں اس لشکر کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ مکہ سے جو لوگ شریک ہوئے' اُن کی تعداد دو ہزار تھی۔ اللہ کے رسولؐ نے صفوان بن اُمیہ سے ایک سو ڈھالیں' اور زرہیں ادھار لیں' تاکہ لشکر کی اسلحے کی ضروریات پوری کی جا سکیں' اور جو لوگ ہتھیار نہیں خرید سکتے' اُنہیں مسلح کیا جا سکے۔ آپؐ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے بھی تین ہزار نیزے مستعار لیے اور لڑائی کے اخراجات کے لیے قریش مکہ سے قرض بھی لیا۔

جب آپؐ کے جاسوس صحابی نے دشمن کے لشکر کے بارے میں پوری معلومات فراہم کر دیں تو رسول کریم ﷺ نے وادی کے دہانے پر اسلامی لشکر کے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا۔ سامان اتر چکا تو آپؐ نے عصر کی نماز کے بعد اردگرد کا جائزہ لیا۔ آپؐ میدان جنگ میں اترنے سے پہلے شب ہی کو اپنے لشکر کے مختلف دستوں اور اُن کے کمانداروں کو بتا دیا کرتے تھے کہ صبح انہوں نے کس ترتیب سے لڑائی میں اُترنا ہے۔ کس کا دستہ کہاں ہوگا' میمنہ کی کمان کون کرے گا۔ میسرہ میں کس کے ساتھی کون ہوں گے۔ یہ سب کچھ رات ہی کو سمجھا دیا کرتے تھے اور لشکر کو جنگی ترتیب دے دیا کرتے تھے' تاکہ صبح ہوتے ہی سب اپنے اپنے مقام پر پوزیشن سنبھال لیں۔ اُس شام بھی آپؐ نے لشکر ترتیب دیا اور سب کو اُن کی پوزیشن سمجھا دی۔

حنین کی اس وادی میں لشکر کی خیمہ اندازی اور خاص ترتیب میں آنحضور ﷺ کے صحابی کی سراغ رسانی کا بھی حصہ تھا جو بنو ہوازن میں شامل ہو کر' اُن کی جاسوسی کر کے مصدقہ اطلاعات لائے تھے۔ یہ صحابی کون ہیں؟ اُن کا نام کیا ہے؟ آپ کو اُن کا نام معلوم نہ ہو تو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر کسی بھی اچھی اور معیاری کتاب میں معلوم ہو جائے گا۔ جستجو شرط ہے۔ خط ضرور لکھیے اور اُن قارئین کو بھی بتائیے' جنہیں معلوم نہ ہو سکا ہو۔

شخصیت 4.....مطبوعہ شمارہ نمبر 23

''یہ کون ہیں؟'' صحیح جواب ہے: امام محمد بن سیرینؒ۔ آپ حضرت انسؓ بن مالک کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت انسؓ کے کاتب بھی تھے۔ صحیح جواب ''ندائے خلافت'' کے دو قارئین نے دیا ہے۔

☆ شوکت حسین انصاری صاحب' ملتان۔

☆ جاوید اختر' وہاڑی۔

☆ محترمہ بینا صدف' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔

(س ق م)

ضرورت رشتہ

☆ عمر 24 سال' قد 5 فٹ 2 انچ' رنگ گندمی' تعلیم DIT' B.Com کورس۔ رہائش سوسائٹی کراچی' لڑکی کے لیے دینی مزاج کے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
فون نمبر: 021-4387841

☆ ملتان میں مقیم قریشی خاندان کی 25 سالہ تعلیم یافتہ' خوش شکل اردو سپیکنگ بیٹی کے لیے دینی مزاج کے حامل خاندان سے برسرِ روزگار بیٹے کا رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ: محمد ادریس قریشی
فون: 0301-7422696

☆ لاہور میں مقیم' عمر 24 سال' تعلیم ایم ایس سی فزکس' جامعہ اشرفیہ سے 4 سالہ عالمہ کورس کی تکمیل یافتہ' شرعی پردے کی پابند بیٹی کے لیے دینی مزاج کے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
رابطہ: اظہار حسین۔ فون: 042-6551279

☆ لاہور میں مقیم' بی اے 22 سال' نماز روزہ کی پابند کے لیے موزوں رشتہ درکار ہے۔
رابطہ: حافظ رفیق۔ فون: 0300-7422696

امیر محترم کا دورہ سیالکوٹ 3 جون 2005ء

3 جون 2005ء کو امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید صاحب اور ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی جناب اظہر بختیار خلجی صاحب سیالکوٹ تشریف لائے۔ اُن کی سیالکوٹ تشریف آوری کا مقصد نئے شامل ہونے والے رفقائے تنظیم سے تعارف اور بیعت تھا۔ یہ پروگرام مسجدِ فاطمہ واقع ہنٹر پورہ میں منعقد ہوا۔ اِس موقع پر ناظم حلقہ گجرانوالہ جناب شاہد رضا صاحب بھی موجود تھے۔ نمازِ مغرب سے پہلے محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے امیر سیالکوٹ جناب عبدالقدیر بٹ صاحب اور ناظم حلقہ گجرانوالہ سے تنظیمی اُمور پر گفتگو فرمائی۔ نمازِ مغرب کے بعد امیر تنظیم اِسلامی نے تقویٰ اور ''اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل'' کے موضوع پر درس دیا۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچانا' اُس کی نافرمانی سے احتراز کرنا' اُس کی ناراضگی کا خوف رکھنا اُس کی سزا سے ڈرنا اور اُس کی پکڑ سے بچنے کی کوشش کرنا ہی تقویٰ ہے۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں مزید فرمایا کہ آج اُمتِ مسلمہ جس ذلت اور مسکنت سے دوچار ہے۔ اُس سے نکلنے کے لیے اور اللہ کے دین کو سربُلند کرنے کے لیے یہ لازمی ہو چکا ہے کہ قرآن کے فہم کو لوگوں تک پہنچایا جائے اور اُس کے لیے ہر مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے عملی جدوجہد میں شامل ہو۔ تاکہ دُنیا اور آخرت میں وہ سُرخرو ہو سکے۔ امیر محترم کے خطاب کے بعد نئے شامل ہونے والے رفقاء کا امیر تنظیم اسلامی سے باری باری تعارف کروایا گیا۔ اِس موقعہ پر تقریباً 40 رفقاء موجود تھے۔ جن میں سے 20 کے قریب نئے رفقاء تھے۔ اِس کے بعد عشاء کی نماز کی ادائیگی اور پھر کھانے کا وقفہ اِس موقع پر تمام رفقاء نے حافظ عاکف سعید صاحب اور ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی صاحب سے مختلف مسائل پر سوالات کیے جن کے جوابات دونوں محترم شخصیات نے قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت مُدلل انداز میں دیے۔ آخر میں تمام نئے شامل ہونے والے رفقاء نے امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر دُعا ہوئی اور یوں اِس پروقار تقریب کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: اسد عثمان شمسی)

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ فیروز والا

تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف نے ملک بھر میں قائم مقامی تنظیموں کے ذمہ داران اور مبتدی و ملتزم رفقاء سے خصوصی ملاقات کا تفصیلی پروگرام بنایا۔ ملک کے طول و عرض میں قائم حلقہ جات کے تحت تنظیموں کی سطح پر یہ سلسلہ ملاقات تکمیل پا چکا ہے۔ گزشتہ کئی ماہ سے حلقہ لاہور کے تحت کام کرنے والی تنظیموں کو اپنے امیر سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کا موقع میسر آ رہا ہے۔ امیر حلقہ لاہور جناب ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے لاہور کی جملہ تناظیم کے لیے جب مقامی امراء سے نظام الاوقات طے کیا تو راقم نے خوب سوچ بچار اور غور و فکر کر کے مئی کے مہینہ کا انتخاب کیا۔ باہمی مشورے کے بعد 29 مئی 2005ء بروز اتوار کی شام کے لیے امیر تنظیم اسلامی کی فیروز والا آمد کا پروگرام طے ہو گیا۔ امیر محترم' امیر حلقہ لاہور کے ہمراہ جامع مسجد نور الھدیٰ فیروز والا میں نماز مغرب سے تھوڑی دیر قبل ہی تشریف لے آئے راقم نے رفقاء تنظیم اسلامی شاہدرہ کے ہمراہ اپنے قائدین کو خوش آمدید کہا۔ امیر محترم جناب حافظ عاکف سعید نے مغرب کی نماز کی امامت کے فرائض ادا کیے۔ قارئین ندائے خلافت کو یاد ہو گا کہ آج سے تقریباً دو سال قبل امیر محترم ہی نے جامع مسجد نور الھدیٰ میں نماز عصر کی امامت فرما کر مسجد کا باقاعدہ افتتاح فرمایا تھا۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد امیر حلقہ لاہور کے ساتھ ضروری مشاورت کے بعد رفقاء و احباب سے امیر محترم کے تذکیری خطاب پروگرام کے آغاز کا فیصلہ ہوا۔ امیر محترم اور امیر حلقہ کو مخصوص نشست گاہوں پر بیٹھنے کی دعوت دی گئی اور پروگرام کے باقاعدہ آغاز کے لیے رفیق تنظیم محترم افتخار احمد نے قرآنی آیات کی تلاوت کی سعادت حاصل کی' بعد ازاں حضور نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات پر ہدیۂ عقیدت و محبت کے پھول بھی نچھاور کرنے کی سعادت بھی جناب افتخار احمد ہی کے حصے میں آئی۔ امیر محترم نے اپنے خطاب میں فرمایا ''تنظیم اسلامی کی دعوت دین کے اجتماعی تقاضوں کو ادا کرنے کی ایک منظم کوشش کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت اور رسول کریم کی اطاعت و فرمانبرداری کا بنیادی تقاضا غلبہ دین کے مقدس نصب العین کی جدوجہد میں عملی شرکت ہے۔ سیرت نبویؐ کی روشنی میں دینی فرائض کی ادائیگی ہی کے لیے تنظیم اسلامی قائم ہوئی۔ غلبہ دین کی جدوجہد میں شامل ہونے والے باعزم لوگوں کو منظم کرنا اور راہ ہدایت کے جملہ گوشوں پر عمل کے لیے رفقاء کو ذہنی و فکری اور عملی سطح پر تیار کرنا تنظیم کا بنیادی کام ہے۔ امیر محترم نے فرمایا ہم رب کو رب مان کر رب کی بات بھی مانیں''۔ اور قرآن مجید کو اپنا رہبر و رہنما اور ہادی و مرشد بنائیں۔ درحقیقت ایمان اور عمل ہی کے مجموعے کا نام تقویٰ ہے' ان دونوں شرائط پر عمل کیے۔ بغیر اسلام کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے انہوں نے کہا کہ خواہشاتِ نفسانی پر قابو پانا ہی ایمان کا اصل حاصل ہے۔ باطل نظام کے زیر سایۂ دین پر عمل کرنے والوں کے لیے زندگی کے تقاضے مشکل سے مشکل بنا دیئے گئے ہیں' امیر محترم نے فرمایا ''سنو اور مانو'' اسلام کے اجتماعی اور جماعتی نظم کی اہم بنیاد ہے لہٰذا رفقائے تنظیم کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر سطح پر نظم کی پابندی کو اپنا شعار بنائیں۔ ہر رفیق تنظیم خود کو جماعتی نظم سے وابستہ کرنے کی شعوری اور مسلسل اور لگاتار کوشش کرے ہر رفیق تنظیم تقویٰ کی دولت سے مسلح ہو کر دولت دین اور اقامت دین کی جدوجہد میں اپنے ''تن' من' دھن'' کے ساتھ آگے سے آگے پیش رفت کرے۔ دین کے کام کو اپنی اولین ترجیح دے' اسی طریقہ کار اور لائحہ عمل کو اپنا کر ہی امت مسلمہ کو موجودہ ذلت و رسوائی کی دلدل سے نکالا جا سکتا ہے۔ ہر رفیق تنظیم مال اور نفس کے جہاد کے ذریعے خود کو ''داعی'' بنائے۔ امیر تنظیم اسلامی نے فرمایا: ''اسلامی جہاد ہی وہ نظریہ ہے جس سے آج کا عالم کفر اور اُس کا امام امریکہ اور اس کے (نام نہاد مسلمان) حواری خوف زدہ ہیں اسی فریضہ جہاد ہی کو ہمیں اپنا نصب العین بنانا ہو گا۔ گویا غلبہ اسلام کی جدوجہد کے ذریعے ہمہ پہلو جہاد کرنے ہی سے دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں' دعوت دین اور اقامت دین کی جدوجہد کے لیے قائم کی گئی تنظیم اسلامی کے قافلہ سالار جناب عاکف سعید نے فرمایا۔ دین کی تبلیغ اور غلبہ دین کی جدوجہد میں جان اور مال لگانے کا اجر سات سو گنا سے بڑھا کر عطا کیا جائے گا۔ مادہ پرستی کے سیلاب بلا خیز سے لوگوں کو بچانے اور خود کو اس آفت سے محفوظ رکھنے کا واحد راستہ نبوی طریقہ کی حامل جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالنا ہے۔ یہ تھا خلاصہ تنظیم اسلامی کے امیر کی تقریر دلپذیر کا جو حسن ادا کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امیر قافلہ کے جذبۂ شوق اور لگن میں خرید چار چاند لگائے ''اللھم زد فزد'' آمین امیر محترم کے خطاب کے بعد رفقاء کے تعارف کا پروگرام ہوا۔ راقم نے مسجد نور الھدیٰ میں ہونے والی سرگرمیوں اور تنظیم کے جملہ پروگراموں سے امیر محترم اور امیر حلقہ لاہور کو آگاہ کیا۔ اس پروگرام میں کل 21 رفقاء نے شرکت کی۔ پروگرام تمام کے رفقاء نے اپنا ذاتی اور تنظیمی تعارف کروایا۔ تعارف کا یہ سلسلہ نماز عشاء کے بعد بھی جاری رہا۔ پروگرام کا آخری اور تکمیلی حصہ اجتماعی کھانا تھا۔ رفیق محترم جناب سید اقبال حسین کے گھر' امیر محترم' امیر حلقہ کے ہمراہ رفقاء لذت و کام و دھن سے شاد کام ہوئے اور یوں یہ مختصر مگر بامقصد اور اثر انگیز اجتماعی ملاقات اپنے اختتام کو پہنچی۔

امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ فیصل آباد

مورخہ 19 مئی بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' مرکزی ناظم دعوت چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب اور امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے ساتھ مغرب سے قبل فیصل آباد تشریف لائے۔ یہاں الفتح گراؤنڈ ستیانہ روڈ میں ان کے خطاب کا بندوبست کیا گیا تھا۔ پنڈال کے ایک جانب انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے زیر اہتمام مکتبہ لگایا گیا۔ مزید تین مختلف مقامات پر پانچ کتب کے سیٹ برائے فروخت کا انتظام کیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالسمیع نے جو سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے تلاوت کلام پاک کے ساتھ جلسہ کا آغاز کر دیا۔ ابتدائی کلمات کے بعد انہوں نے امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب' مرکزی ناظم دعوت چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب اور محمد رشید عمر صاحب کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ بانی تنظیم کے خطاب سے

پہلے چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب نے قرآن بطور کتاب ہدایت اور تخلیق آدم کا مقصد بیان فرمایا۔ اس دوران بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے۔ ٹھیک دس بجے انہیں خطاب کی دعوت دی گئی۔ ان کے خطاب کا موضوع ''انسانوں سے اللہ تعالیٰ کا واحد مطالبہ'' تھا۔ ان کا خطاب تقریباً پونے دو گھنٹے پر محیط تھا۔ جس میں بانی تنظیم نے شرح وبسط کے ساتھ موضوع کے مختلف پہلوؤں کو انتہائی موثر انداز میں واضح فرمایا۔ آپ کے بیان میں انذار کا رنگ ایسا تھا کہ بعد میں جلسہ کی احتسابی میٹنگز میں جلسہ میں شریک ایک صاحب کا یہ تاثر بیان کیا گیا کہ انہیں پوری رات نیند نہیں آئی۔ یقیناً سلیم الفطرت انسان پر حقائق کا انکشاف اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ 2000 افراد کے بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا جو تقریباً سب کا سب بھر چکا تھا۔ اس کے باوجود کچھ لوگوں نے کھڑے ہو کر خالی زمین پر بیٹھ کر بھی خطاب سماعت کی۔ مکتبہ کی سیل 36370 روپے تھی۔ جس سے لوگوں کی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ بانی تنظیم کے خطاب سے مستفید ہونے کے لیے سرگودھا' سانگلہ' جڑانوالہ اور تاندلیانوالہ کے رفقاء اور احباب نے بھی بھرپور شرکت کی۔ اختتامِ جلسہ پر ان حضرات کو کھانا پیش کیا گیا۔ 75 افراد نے دعوت/اقامتِ دین کے کام میں عملی تعاون کے فارم پر کیے۔ جنہیں اگلے ہی دن یعنی 20 مئی بعد نماز جمعہ ساڑھے تین بجے سے بعد نماز عشاء تک ایک تربیتی پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس خصوصی دعوتی پروگرام میں 25 احباب نے شرکت کی۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے تنظیم اسلامی کی دعوت پر روشنی ڈالی اور احباب کے سوالات کے جواب دیئے۔ اس موقع پر محمد رشید عمر صاحب نے بھی تذکیری بیان کیا۔ بعد نماز مغرب سید کفیل ہاشمی صاحب نے درس قرآن پاک دیا۔ بعد نماز عشاء ڈاکٹر عبدالسمیع کی عربی کلاس کے طلبا اور ان کے تمام احباب کو کھانے پر مدعوت کیا گیا۔ کھانے پر تقریباً 150 افراد حاضر ہوئے۔ اس جلسہ کی تشہیری مہم میں رفقائے تنظیم نے بھرپور محنت کی۔ جلسہ گاہ کے انتظامات کا سہرا ہمارے نئے رفیق ڈاکٹر جہانزیب کے سر تھا جس کی ذمہ داری انہوں نے اپنے بھائی کے تعاون سے جو خود بھی رفیق تنظیم ہیں باحسن طریق پوری کی۔ بانی امیر اور امیر تنظیم اور دوسرے مہمانوں کی میزبانی بھی ان کے ذمے تھی۔ اللہ تعالیٰ تمام معاونین کار کی محنت کو قبول فرمائے اور اللہ کے پیغام کو دلوں میں راسخ کردے آخر میں میاں یوسف صاحب کا ذکر خاص کیے بغیر رپورٹ ادھوری رہے گی جس طرح اس جلسہ کو کھلے ماحول میں منعقد کرنے کے لیے انتظامیہ سے اجازت لی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ جلسہ گاہ کے وہ پڑوسی جنہوں نے بجلی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے تعاون کیا اللہ تعالیٰ اس انفاقِ مال کو بھی قبول فرمائے۔

(مرتب: محمد اکرم)

اُسرہ نوشہرہ کینٹ کی دعوتی سرگرمیاں

1۔ مورخہ 14 مئی 2005ء بروز ہفتہ قبل از نمازِ عصر امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب' ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی صاحب اور امیر حلقہ سرحد جنوبی جناب میجر (ر) فتح محمد صاحب رفقاء واحباب سے ملاقات کے سلسلے میں نوشہرہ تشریف لائے۔ اس اجتماع میں 11 رفقاء اور 05 احباب نے شرکت کی۔ نمازِ عصر کے بعد قاضی فضل حکیم نے مہمانوں اور رفقاء واحباب کا آپس میں تعارف کرایا۔ اس کے بعد حافظ عاکف سعید صاحب نے ایمان ثلاثہ پر سورۃ التغابن کی روشنی میں مختصر درس دیا۔ پھر سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد نمازِ مغرب ادا کی گئی جس کے فوراً بعد تجدید بیعت ہوئی جس میں ایک حبیب جناب عبدالستار علوی صاحب جو کہ حال ہی میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے لٹریچر اور CD میں تقریر سے متعارف ہونے کی وجہ سے بیعت فارم حاصل کر چکے تھے' نے امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد امیر محترم' ناظم اعلیٰ حلقہ ضلع مردان کے رفقاء سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔

2۔ مورخہ 29 مئی 2005ء بروز اتوار بعد نمازِ عصر اور بعد نمازِ مغرب گاؤں ہاتھیان ضلع مردان میں اُسرہ نوشہرہ کینٹ کے دو دعوتی اجتماعات منفرد رفقاء' نور محمد سید صاحب اور شیر قادر صاحب کے توسط سے منعقد ہوئے۔ اس دفعہ قاضی فضل حکیم نے اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے اجتماعی شکل میں ان اجتماعات کا ارادہ کیا۔ مرکزی تنظیم اسلامی نوشہرہ سے ڈھائی بجے 20 افراد پر مشتمل یہ قافلہ مردان کے لیے روانہ ہوا۔ مردان پہنچ کر مبتدی رفیق قاضی ہمایوں کے گھر پر چائے پی لی اور ہمایوں کے ایک بھائی کو ساتھ لیتے ہوئے شیر گڑھ روانہ ہوئے کہ تیز بارش شروع ہوئی اور موسم نہایت خوشگوار ہوا۔ ہاتھیان گاؤں پہنچنے پر نمازِ عصر کا وقت قریب تھا لہٰذا مسجد تشریف لے گئے۔ مقامی لوگوں نے ہمارا استقبال کیا۔ نماز عصر کے بعد قاضی فضل حکیم نے ''مطالبات دین'' کے موضوع پر تین منزلہ عمارت کی مثال کے ذریعے تفصیل بیان کیا۔ اُنہوں نے واضح کیا کہ دین کے ہم چار مطالبات ہیں۔ ایمانِ حقیقی' بندگی' دعوت بندگی اور نظام بندگی۔ وہاں کے لوگوں نے پروگرام کو بہت سراہا اور اس قسم کے اجتماعات کو مستقل بنیادوں پر کرنے کے لیے اصرار کیا۔ تقریباً 50 افراد نے اس اجتماع میں شرکت کی۔ اس کے بعد دوسری جگہ مسجد جمیل خان راحت آباد میں نمازِ مغرب کے بعد ''ہمارے رسم ورواج قرآن وسنت کی روشنی میں'' کے موضوع پر نقیب اُسرہ نے تقریر کرتے ہوئے شرکاء پر واضح کیا کہ کس طرح غیر اسلامی رسومات نے ہماری زندگی اجیرن کی ہے۔ ان سے نجات کا واحد راستہ قرآن وسنت کی طرف رجوع ہے۔ آخر میں شرکاء کی طرف سے کئی سوالات ہوئے جس کے فاضل مقرر نے تفصیلی جوابات دیئے۔ اس اجتماع میں تقریباً 60 افراد نے شرکت کی۔ اس علاقے میں ماہانہ بنیادوں پر اجتماعات منعقد کرنے کا وعدہ کر کے رات ساڑھے آٹھ بجے نوشہرہ کے لیے روانہ ہوئے۔

(تحریر: جان نثار اختر)

تنظیم اسلامی تیمرگرہ کا ماہانہ دعوتی اجتماع

مبتدی رفیق جناب چاند ریاض صاحب کے مشورے پر تنظیم کا ماہانہ دعوتی اجتماع اُن کے گاؤں ملاکنڈ میں منعقد کیا گیا۔ حلقہ سرحد شمالی کے ناظم تربیت اور معتمد شاہ وارث پانچ رفقاء اور دو احباب سمیت پانچ بجے عصر کو ملاکنڈ پہنچے۔ نماز عصر کے بعد مقامی تنظیم تیمرگرہ کے امیر شاکر اللہ نے قرآن مجید کے حقوق بیان کیے۔ یہ خطاب 150 افراد سے زیادہ نے سنا۔

نماز مغرب کے بعد شاہ وارث نے فرائض دینی کا جامع تصور پر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ دین کی تبلیغ واشاعت اور اقامت دین کے لیے کوشش کرنا کوئی اضافی نیکی نہیں بلکہ فرائض میں سے ہے۔ جس طرح روزہ' نماز' حج وزکوٰۃ فرض ہیں۔ اسی طرح اقامت دین کے لیے جدوجہد بھی فرض ہیں۔ یہ خطاب تقریباً 120 افراد نے سنا۔ بعد میں چند احباب کے ساتھ سوال وجواب کے ذریعے مزید تفصیلی بات ہوئی۔

(مرتب: شاکر اللہ)

رفقاء متوجہ ہوں

آئندہ

ہفت روزہ ملتزم + مبتدی تربیت گاہ

کا انعقاد قرآن اکیڈمی کراچی میں مورخہ 23 جولائی

بروز ہفتہ نمازِ عصر تا 29 جولائی بعد ظہر ہوگا۔

ان شاء اللہ

ملتزم اور مبتدی رفقاء اس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل ہوں۔

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت' تنظیم اسلامی

between their strategic security need to see the project succeed in containing Islam, and their fear of losing their own sovereignty to the US hegemonic designs in the process.

Europe finds itself more threatened even than the U.S. by the rise of an Islamic model of governance. The European Union, which suffers from economic stagnation and long-term demographic decline, has for some time now consider Muslim populations as a threat. Ban on scarf in France is just one example of the height of hysteria in this regard. Despite lack of trust in the US intentions, the short-sighted political class in Europe will continue to favor Middle East democratization because an Islamic model is considered more of a threat than anything else in the world.

As the twenty-first century proceeds the United States has become truly imperialistic, ignoring existing Westphalia and promoting a new form of Westphalianism that over-rules the UN and other international rules, norms and laws to impose an American, totalitarian vision of a new world order.

The continuance of chaos is inevitable. So is a reactionary return to the international paradigms of the remote or recent past. The systems and ideologies based on petty human rationality have reached their penultimate stage after failing all tests of success along the road. To move beyond the chaos requires emergence of an alternate ideology and establishment of a viable model for human governance.

Only Muslims have the ideology to counter the most encompassing and intrusive tyranny of human history. Do they have the will? Apparently they don't. However the modern tyranny forces to have into the position of no option other than returning to Islam.

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ
ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور
پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام وطعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے'
روشن اور ہوادار کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے
قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت۔

فلک سیر کارپوریشن' جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات
فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295' فیکس: 0946-720031

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیر نگرانی ادارہ

ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابلِ اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹرا ساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ / ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

النصر لیب: 950۔ بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور
فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

Early on in the 1990s, the marginalized power elites of various countries proposed a broad program, usually associated with France and the European Union, for recapturing their lost power and influence. This was the construction of a system of "global governance" based on a series of treaties by means of which sovereign nation-states would transfer growing chunks of their sovereignty to global bureaucracies administering those treaties.

Even this was not acceptable to the super-imperialist zeal of the totalitarians in Washington. The globalists want to rule the world. The totalitarians in Washington want to rule the globalists. The globalists undermine the nation states for their capitalist gains. The totalitarians undermine everything in their way for total global dominance.

The ultimate object of the "global governance" is to reassert "big government" in the age of free market "globalization." The idea is to promote the supremacy of "international law," (treaties signed by sovereign states), over and above sovereignty of states. The US wants its law to over rule the international law and institutions.

The totalitarians in Washington are sensitive to the extent that they considered even Kyoto Treaty as a scheme that would somehow undermine their dream to total global domination. The International Criminal Court, proposals to agree to universal tax rates to prevent "tax competition," and other proposals to enforce a global "transaction tax" on global financial flows are beyond imagination for the United States' global adventurists.

So the struggle is not only against the Islamic ideology but also against those who are on the same wavelength with Washington but only happen to be seen a threat to its hegemony in different fields. It is not strange to hear calls from Friedman of the New York Times to declare a war on France.

Not surprisingly, the United States has opposed vigorously every one of the suggestions that asserted international control independent of the United States. According to the US Constitution, international treaties have the force of the law of the land, i.e., they are subject to judicial review and tests of constitutionality. Now that the totalitarians have succeeded in hijacking the legislature and consent of the governed has become meaningless, the so-called systems of checks and balances, and the separation of powers among Executive, Legislative and Judiciary, are used to the advantage of further the totalitarian adventures.

The 2002-2003 United Nations debate over the war in Iraq had as its true subject not Iraq but the future of the post-Westphalian world. The totalitarian Americans considered reservations by France and her allies as attempts to subordinate the US to a vacuous notion of UN-conferred legitimacy on behalf of a treaty-based "global governance" vision of the post-Westphalian world. From the American totalitarian, the message is simple: our way or no way all. They are as much schizophrenically sacred of its own allies as they are of the Muslims who want to exercise their right to self-determination.

Democratization of the Greater Middle East ("Greater" because it includes Afghanistan and Pakistan) is the name of the new game aimed at total domination. It is now a national, bipartisan US policy without any attempts at soliciting consent of the governed. The millions of Americans marching in the streets against the war for domination is irrelevant.

The totalitarians forced this policy on the United States in the name of national security concerns, and it evolved gradually between September 11, 2001 and November 6, 2003. The staged 9/11 attacks led to the predetermined decision to "take the fight to the enemy." Almost immediately, it became apparent that "taking the fight to the enemy" meant, in the phrase of a former CIA director, "draining the swamp of the Middle East," i.e., destroying the political culture that aids and abets the rise of terrorist organizations. In plain words: to eliminate every possibility that can lead Muslims to exercise their right to self-determination and living by Islam. In more straight forward words: to eliminate the possibility of any alternative model of governance coming into being.

On November 6, 2003, President Bush in a speech at the National Endowment for Democracy announced that this global drive for freedom and democracy would have the Middle East as its most important focus. With this, the US proclaimed its long-term policy of Middle East democratization.[1]

At the same time, the Democratic Leadership Council, the premier policy-shaping think-tank of the second party in two-party dictatorship, the Democratic party, presented its national security blueprint, Progressive Internationalism: A Democratic National Security Strategy. In a chapter titled "Advance Democracy Abroad –Including in the Islamic World," the document proposes: "For Democrats, the transformation of the greater Middle East—the vast arc of turmoil stretching from Northern Africa to Afghanistan is a central challenge of our times. Nowhere is a fundamental shift in Western strategy more necessary if we are to confront the forces that create the dangerous nexus between terrorism, failed states, rogue regimes, and mass destruction weapons."

The mainstream leaders of the Democratic party fully endorse President Bush's Middle East democratization policy. As former National Security Advisor Samuel R. Berger, a Democrat, put it: " Most Democrats agree with President Bush " in his support for "more open and democratic societies in the Middle East."

Given, therefore, that Middle East democratization is the bipartisan national policy of the United States, the question is whether this policy is realistically feasible.

The answer is no for the simple reason that democratisation is a façade. The calls for democratization do not equal proposals to contain the Soviet communism in 1940s. It would be out right stupid to study feasibility of the present totalitarian project from Washington in the light of feasibility of Nazi Germany or Imperial Japan. It is instead the other way round.

Those who claim that the US is inching towards its fall along with the total collapse of capitalism might sound ridiculous. But so was the thought of the complete annihilation of four great empires (Habsburg, Hohenzollern, Romanoff and Ottoman), none of which was realistically feasible at the beginning of the World War I in 1917.

The apparent absurdity of predicting the fall of the US and the end of Nation State system equals to the absurdity of those who believed in an American experience in popular self government in 1776.

The democratization of the Middle East is a façade of similar historic import as the colonialists adventures in the name of helping little brown brother. Interestingly, the seemingly allied nations in the essentially American project of Middle East democratization are torn

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 24

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeemorg)

The post-Westphalian World and Muslims' Will

The world is in a state of total chaos. The 350-year reign of the nation-state system is coming to an end. The 1648 Treaty of Westphalia, which ended the Thirty-Years War, also ended the millennial domination of the ideal of universal empire and creed, personified in the priest-king, god-king or divine emperor. In the West, the ideal was embodied for a millennium and a half in the Roman Empire in all its transformations over time, and since the fourth century AD in the Christian religion, embodied by the Papacy.

In the sixteenth century the religious domination of the Papacy in the West was challenged by a group of religious reformers. The two sides fought wars and signed truces until in 1618 all Western Europe erupted in war, centered in the territory of the Holy Roman Empire, now German, and adjacent regions. In 1648 the negotiators of the Treaty of Westphalia adopted the principle of cuius regio, eius religio, "the religion of the ruler is the religion of the state." Thus, the ideal of one empire was replaced by what came to be known as the nation-state.

The chaos confronting us today derives from the fact that, given neo-cons dominated administration in the US and the morbid dread of Islam spread by the Islamophobes on all fronts from media to academia and political to religious circles, a critical number of US adventures in the Muslim world are of a scale and scope such that they transcend national borders within whose confines sovereign states exercise their sway.

Unfortunately it is not limited to the Muslim world alone. The recent demands from Canada to share all information about the passengers even if they are on a domestic flight and other such measures demanded from the governments across the Atlantic are no less than transcending national borders.

The phenomenon has been dubbed "a war on terrorism," a term that conceals more that it reveals. As the scope of the US and its allies' activities occurring outside the writ of nation-states increases, the legal and regulatory reach of the latter shrinks. Other players were already there, challenging their governance monopoly: Multinational corporations, global financial markets, non-governmental organizations, organized criminal enterprises, etc.

Most of the activities of these players were already not covered by international law, which was based on formal agreements among nation-states, because nation-states had thus far been unable to find enough common ground for agreements that address problems of "globalization." Now the "war on terrorism" has dwarfed globalisation by many degrees. United Nations is a joke and international law and treaties and Universal Declaration of Human Rights have become worse than a joke before the fanatic pursuit of the war lords in Washington to not let any alternative ideology succeed other than capitalism and way of life the neo-cons want for all.

The seeds for undermining Westphalian nation-state system were already sown in the emergence of the United States, a country that was launched as a political experiment dedicated at birth to the subversion of pre-established order, both imperial and Westphalian. The most interesting thing to note is that seeds for undermining Westphalia were already there, but now the US has also undermined the very basis on which its democracy was established.

According to the constitution adopted by the new country in 1776, legitimacy was derived from the people, and not from the sovereign. North America had been populated by groups of men and women who were specifically driven to emigrate by their rejection of the Westphalian cuius regio, eius religio doctrine.

From their rebellion against the British, a unique legal arrangement was produced – the US Constitution – which outlined for the first time how legitimate state power might be exercised. Legitimacy gave birth to American sovereignty and theoretically, in the American system, sovereignty answers to legitimacy. If the legal definition of sovereignty is "supreme power against which there is no possible appeal," then in the case of the United States, that supreme power was supposed to be legitimacy itself, i.e., constitutional law expressing the consent of the governed. The consent of the governed has become as meaningless as it is irrelevant today. What happened over the years brought to the fore some actors and hidden forces of exploitation, who marginalised consent of the governed and undermined the very principle on which the foundation of democracy was based.

With the much vaunted constitutional tradition, the United States stands as a model facilitating the enforcers of oppressive religious, political and class systems. From a broader standpoint, the United States is the most dangerously successful tyrannical regime in history. Before the exploited "guiding principles" and resultant mess in the US, tyrannies of the long gone Italian and German fascists and Soviet Communists dwarf by comparison.

In the struggle of ideology, the US is losing because is has failed to stay its course according to the true principles of democracy. The United States has become truly imperialistic by adopting the ancient millennial paradigm. With its unilateralist adventures, it also undermined the Westphalian system.

The obsolescence of the system of nation-states becomes obvious when one considers that the transnationals account for more that 35% of world GDP more than 75% of world trade and almost the entire world FDI (Foreign Direct Investment). This, together with the rise of self-regulated global financial markets, commands the worldwide flow of investment capital and dictates the fiscal and monetary policies of governments that wish to attract such investment capital.

Economically, the Westphalian era had favored a large and ever growing role of the "public sector" within the nation-state – economic statism. The emergence of private-sector economic superpowers beyond the reach of nation-states has now made this scheme untenable. Of all the economically major countries today, it is primarily the United States, the epicenter of "globalization," that has the smallest-sized "public sector," at 20% of its GDP, and is riding on a political movement of "smaller government." Nations like France, Germany and other members of the eurozone have public sectors at 50%-60% of their stagnating GDP.